

جاسوسی دنیا نمبر 4

تجویری کا راز

(مکمل ناول)

پیشرس

جاسوسی دنیا کا چوتھا ناول آپ کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اب یہ آپ کے لئے کوئی نئی چیز نہیں رہ گئی ہے۔ ہندو پاکستان کا تقریباً ہر اردو پڑھنے والا جاسوسی دنیا سے روشناس ہو چکا ہے اور ہر ایک کو اس کا اعتراف ہے کہ فی زمانہ دنیا کی کوئی زبان اتنا دلچسپ لٹڑچھراتنی کم قیمت پر پیش نہیں کر رہی ہے۔

آپ اس ناول کو پلاٹ اور محتیک کے اعتبار سے سابقہ ناولوں سے کہیں زیادہ دلچسپ پائیں گے، محیر المعقول واقعات دل دھلا دینے والے مناظر، جرأت و ہمت سے لبریز کارنائے، سرجنت حمید کی دلچسپ حرکتیں اور آپ کے ہر لمحہ زی انپکٹز فریدی

کا عجیب و غریب رول، آپ کے پسندیدہ جاسوس آپ کو عجیب و
غریب حکمیں کرتے ہوئے نظر آئیں گے۔ میرا دعویٰ ہے کہ
آپ ایک بار کتاب اٹھانے کے بعد اختتام پر پنچے بغیر کتاب
ہاتھ سے نہیں رکھ سکتے۔

اس ناول میں سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں
کوئی خون نہیں ہوا پھر بھی ایسے واقعات سے لبریز ہے کہ دلچسپی
برحمتی ہی جاتی ہے۔

بہر حال ناول آپ کے سامنے ہے آپ خود فیصلہ کچھ کر
میں اپنے مقصد میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں۔

ابن صبغہ

حیرت انگلیز ڈاکہ

تقریباً رات کے ساڑھے گیارہ بجے تھے۔ سارے شہر میں خاموشی طاری تھی۔ بازار میں اکادکا پان کی دوکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ شاید پان والوں کو ان گاہوں کا انتظار تھا جو سینڈ شو دیکھ کر لوٹنے وقت پان خریدا کرتے ہیں۔ کبھی کبھار ایک آدھڑک نائے کا سینڈ چیڑتا سنناں سرکوں پر دوڑتا نظر آ جاتا تھا۔ سردی اپنے پورے شباب پر تھی۔ سردی ہی کی وجہ سے شہر اتنی جلدی نائے سے ہم آغوش ہو گیا تھا ورنہ گرمیوں میں عموماً شاہراہوں پر تقریباً رات بھر آمد و رفت رہتے ہیں مگر اس وقت یہ عالم تھا کہ شہر کے مشہور سینہ اگر وال کی کوئی شہر کے سب سے باروفت روڑ پر واقع ہونے کے باوجود بھی پر اسرار آدمیوں کو اپنے اندر داخل ہونے سے نہ روک سکی۔

یہ دونوں ایک چھوٹی سی خوبصورت کار میں بیٹھ کر آئے تھے جسے وہ سڑک کے دوسرے کنارے پر چھوڑ کر کوئی کی دیوار سے آ لگے تھے۔ اس دیوار کے قریب بہت زیادہ اندر ہمراحتا۔ ان دونوں نے چونکہ سیاہ رنگ کا لباس پہن رکھا تھا اس لئے وہ اس نارکی میں اس طرح گم

ہو گئے تھے جیسے دودھ میں پانی۔ ان میں ایک زمین پر آکڑوں بیٹھ گیا اور دوسرا اس کے کام سے پڑھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کے بعد بیٹھا ہوا آدمی آہستہ سے اٹھنے لگا۔ اوپر والے نے بارہ تیرہ فٹ اونچے روشنداں میں ہاتھ ڈال کر اسے مفہومی سے پکڑا۔ دوسرے لمحے میں وہ روشنداں کے اوپر تھا۔ اس نے روشنداں کا شیش اٹھا کر اندر جھانا کا۔ کرے میں نیلے رنگ کی دھندلی روشنی والا بلب روشن تھا۔ شائد اس شخص کی قسمت یا درجی کے اسے ٹھیک روشنداں کے نیچے گلی ہوئی ایک اوپری میز میں پائی، وہ آہنگی سے اس کے اوپر اتر گیا۔

اب باہر ایک آدمی رہ گیا تھا۔ وہ آہستہ آہستہ رینگتا ہوا صدر دروازے کے قریب پہنچا۔ صدر دروازے پر ایک بلب روشن تھا یہاں اس کی روشنی میں اس کا چھپنا محال تھا۔ لہذا وہ چیز سڑک پر آکھڑا ہوا۔ اس نے اپنے چیز کے کالراکنوں سے اونچے کر کر تھے اور فلت ہیٹ چہرے پر اس طرح جھلی ہوئی تھی کہ اس کے خدوخال تاریکی میں چھپ کر رہے گئے تھے۔ تھوڑی دیر کے بعد دروازے میں ذرا سی درز ہوئی اور باہر کھڑا ہوا آدمی ادھر ادھر دیکھ کر تیزی سے چلتا ہوا صدر دروازے کے قریب آیا۔ صدر دروازہ کھلا اور وہ بھی دیکھتے ہی دیکھتے کوئی کے اندر تھا۔

دونوں ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے تاریکی میں چھپتے چھپاتے آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہے تھے۔ چاروں طرف تاریکی پھیلی تھی۔ ایک جگہ انہیں اوپر کی منزل میں کسی کمرے کے دروازے کے وہنے لے شیشوں میں روشنی دکھائی دی۔ یہ اندازہ لگانے کے لئے کہ وہ اس وقت کہاں ہیں انہوں نے ٹارچ روشن کی۔ یہ ایک بہت بڑا بھائی تھا جس میں بے شمار صوفے پڑے ہوئے تھے۔ دیواروں پر قد آدم تصویریں تھیں اور فرش پر قیمتی قالین، اوپر جانے کے لئے ایک طرف سگ مرمر کے زینے تھے، ہال میں سانائی تھا۔ وہ دونوں آہستہ آہستہ زینوں پر چڑھنے لگے، انہوں نے اس کمرے میں جھانک کر دیکھا جس کے دروازوں کے شیشوں سے روشنی چھن رہی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا ان میں سے ایک نے دروازے کو آہستہ سے کھولا۔ سینہ اگر واں دیوار کی طرف منہ کئے بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ یہ دونوں اتنی آہنگی سے کمرے میں داخل

ہوئے کہیں اگر وال کو خبر سکت تھی۔

"سینہ جی.....!" ایک نے آہستہ سے کہا۔

سینہ اگر وال چوک کر مرا..... اس نے کچھ کہنے کے لئے ہونٹ ہلائے ہی تھے کہ ایک نے روپالور نکال لیا۔

"منہ سے آواز نہ لٹلے.....!" روپالور وال نے تھمانہ لجھے میں کہا۔

سینہ اگر وال کے چہرے کارگ کاڑی کیا تھیں وہ جی کڑا کر کے بولا۔

"تم کون ہو اور کیا چاہتے ہو۔"

"ڈر نہیں..... اگر خاموشی سے بیٹھے رہے تو ہم تمہیں قتل نہیں کریں گے۔" دوسرا نے کہا۔

"تم لوگوں نے یہاں آ کر غلطی کی.....!" سینہ اگر وال نے کہا۔ یہاں تمہیں کچھ زیادہ

نہیں کے گا میں سب کچھ پینک میں رکھتا ہوں۔"

دلوں ہنسنے لگے۔

"ہم لوگ معمولی چور یا ڈاکو نہیں..... ببا۔" دوسرا آدمی بولا۔ پھر اس نے اپنے ساتھی کی

طرف مڑ کر کہا۔ "تم سینہ بھروسہ۔"

وہ ایک چھوٹے سے دروازہ کی طرف بڑھا۔

"ادھر کہاں جاتے ہو.....!" اگر وال نے کہا۔ "وہ میرے سونے کا کرہ ہے۔"

"اور وہیں تم نے اپنی تجویزی رکھ چھوڑی ہے۔" دوسرا نے کہا۔

"لیکن اس کی کتنی نیچے ہے۔" اگر وال بولا۔

"مجھے کنجی نہیں چاہئے.....!" دوسرا نے کہا اور دروازہ کھول کر کرے میں چلا گیا۔

ایک آدمی روپالور لئے ہوئے بدستور سینہ اگر وال کے پاس کھڑا رہا۔

سینہ اگر وال نے کتنی بار اسے دھوکہ دے کر اختنے کی کوشش کی تھیں ہر بار پتوں کی نال

اس کی کپٹی سے گلراہی۔

"دیکھو سینہ صاحب! اگر تم نے زیادہ گڑ بڑ کی تو تمہیں سینہ ختم کر دیا جائے گا۔ تم یہ نہ

مجھنا کر یہ حضن دھکی ہے۔ یہ ریو اور بغیر آواز کا ہے کسی کو کافیوں کا ان خبر نہ ہوگی، اور ہم تمہیں مار کر چلتے ہیں گے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم لوگ خواہ تجوہ جنگ مار رہے ہو!“ سینہ اگر وال نے کہا۔

”تجوہی میں دو تین ہزار سے زیادہ تمہیں نہ مل سکے گا۔“

”خیر..... یہ ہمارا اپنا سودا ہے، تمہیں اس سے کیا۔“

سینہ اگر وال خاموش ہو گیا لیکن اس کی آنکھیں اپنے سونے کے کمرے کے دروازے لی ٹھنڈی ہوئی تھیں۔ گھنڈ گھر کی گھنڈی نے بارہ بجائے، دوسرا آدمی ابھی تک اگر وال کے سنبھالے کمرے ہی میں تھا۔ سڑک پر سیکنڈ شوڈ یکھ کر لوٹنے والوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی تھی۔ قہوہی دیر کے بعد دوسرا آدمی کمرے سے نکل آیا۔

”کہنے استاد کیا رہا۔“ پہلا آدمی بولا۔

”ٹھیک ہے.....!“ دوسرا نے کہا۔ لاڈ پستول اب مجھے دو اور تم سینہ جی کو کری سے پاندھ دو اور اسکے منہ میں کپڑاٹھوٹس دو۔ تاکہ یہ ہمارے جاتے ہی شور نہ مچانا شروع کر دیں۔“ پہلے آدمی نے دوسرا کے ہاتھ میں پستول دے دیا اور خود ریشم کی ٹکلی ڈور سے سینہ اگر وال کو کری میں جکڑنے لگا۔

”میرے منہ میں کپڑا مت ٹھونسو میں وعدہ کرتا ہوں کہ تمہیں چیخوں گا۔“ سینہ اگر وال نے کہا۔

”سینہ جی..... اگر تم اجتنہ ہی ایماندار ہو جے تو ہمیں تکلیف کرنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی۔“ دوسرا آدمی نے کہا۔

پہلے آدمی نے اس کے منہ میں کپڑاٹھوٹس دیا۔

دونوں ابھی ہال میں پہنچے ہی تھے کہ بچاؤ، دوڑو دوڑو کی آوازیں آنی شروع ہو گئیں۔ شاید اگر وال نے کسی طرح سے اپنے منہ سے کپڑا انکال لیا تھا اور اب وہ بے تحاشہ جیج رہا تھا۔ دھنٹا اندھیرے میں دو تین آدمی دوڑتے ہوئے معلوم ہوئے۔

”شاید سینہ جی کے کرے سے آواز آری ہے۔“ ایک آواز سنائی دی۔

”ہاں چلو اور چلیں.....؟“ دوسری آواز آئی اور زیست پر قدموں کی آہ معلوم ہونے لگیں۔

”استاد اب کیا کیا جائے۔“ ایک نے کہا۔

”چلو جلدی کرو..... صدر دروازہ کی طرف۔“

”مگر شاید باہر بھی آدمی جمع ہو گئے ہیں۔“

”ڈر نہیں..... آگے بڑھو..... میں سب تھیک کر لوں گا۔“

دونوں تیزی سے صدر دروازہ پر پہنچے جواندر سے بند تھا۔ باہر بھی شور سنائی دے رہا تھا۔

”شاید لوگ دروازہ کھلنے کا انتظار کر رہے ہیں۔“

استاد نے دروازہ پر پہنچ کر چینا شروع کر دیا۔

”ہائے مارڈا لالا..... مارڈا لالا..... بچاؤ..... بچاؤ.....!“

لوگ باہر سے دروازہ پہنچنے لگے۔

استاد نے چینتے ہوئے دروازہ کھول دیا اب پہلے آدمی نے بھی اپنے استاد کی تحلید شروع

کر دی تھی اور وہ بھی تھی رہا تھا۔

لوگ ”کیا ہے..... کیا ہے.....“ کہتے ہوئے اندر گھسنے لگے اور یہ دونوں بچاؤ بچاؤ چینتے

ہوئے پاہر نکل گئے۔

سرک بکے دوسرے کنارے پر پہنچ کر دونوں کار میں بیٹھ گئے۔

”اے وہ کار میں بیٹھ گئے..... پکڑو..... پکڑو..... وہی تو ہیں.....!“ سینہ اگر وال

اوپر کی کھڑکی سے سرناکا لے جائی رہا تھا۔

چیسے ہی لوگ کار کی طرف جھپٹنے استاد نے توٹوں کا بذل کھول کر جمیع پر پھینک دیا۔ فضا

میں سیکھروں توٹ اڑ رہے تھے۔ جمیع بے تحاش توٹوں کی طرف جک پڑا اور کار جواب اثاثت

ہو چکی تھی یہ جاودہ جا۔ نظروں سے عائب ہو گئی۔

نئی الجھنیں

دوسرے دن صبح جب سارجنٹ حمید اور انپکٹر فریدی سیر کے لئے جانے کی تیاری کر رہے تھے تو کرنے سب انپکٹر جکلش کا ملا قاتی کارڈ لا کر دیا۔

”مجھے افسوس ہے انپکٹر صاحب کر میں ہادوت تھیں ہوا۔“ جکلش نے اندر داخل ہو کر کہا۔
”آؤ..... آؤ بھی کوئی بات نہیں۔“ فریدی نے سکرا کر کہا۔

”خبریت تو ہے آپ کچھ بدحواس سے نظر آ رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”خبریت کہاں حمید بھائی.....!“ جکلش نے بیخیت ہے کہ۔ ”انپکٹر صاحب کی جہریانی سے میرے افسر مجھے بہت زیادہ سمجھنے لگے ہیں اور یہ جیز میرے لئے وہاں جان بن گئی ہے۔“
فریدی ہنسنے لگا۔

”آخ رکھو تو کیا بات ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”کیا عرض کروں رات ایک عجیب و غریب واردات ہو گئی۔ جس کی تفتیش میرے ذمہ ڈالی گئی ہے اور میں جو کچھ ہوں میں ہی بہتر جانتا ہوں۔ ابھی مجھ میں اتنی صلاحیت بھی نہیں ہے کہ کسی معمولی چوری کا سراغ لگا سکوں۔“
”خبر..... چلو آگے کہو۔“

”کل رات سینہ اگر وال کے یہاں دو آدمی گھس آئے اُن میں سے ایک سینہ اگر وال کے سر پر پتوں تانے کھڑا رہا اور دوسرا ان کے سونے کے کمرے میں گھس گیا جہاں تجوہی رکھی ہوئی تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد وہاں سے واپس آ گیا۔ دونوں نے اگر وال کو کری میں جکڑ کر ان کے منہ میں کپڑا اٹھوئیں دیا۔ وہ دونوں کمرے سے نکل کر تھوڑی ہی دور گئے ہوں گے کہ اگر وال نے منہ سے کسی طرح کپڑا انکال لیا اور چیختے لگا۔ اس وقت سازھے بارہ بجے ہوں گے یکنہ شو ختم ہوئے تھے اس لئے سڑک پر بھی کافی آمد و رفت ہو گئی تھی۔ اگر وال کے چیختنے پر ایک طرف تو ان کے گمراہے بیدار ہو گئے اور دوسری طرف سڑک پر ان کے صدر دروازے پر کافی بھیز

لگ گئی۔ دونوں آدمیوں نے جب یہ دیکھا تو وہ بھی چور، چور چلاتے ہوئے دروازے کی طرف بھاگے۔ اسی حالت میں انہوں نے صدر دروازہ کھولا اور باہر نکل گئے۔ باہر نکلتے وقت انہوں نے چیننا شروع کر دیا۔ ارے مارڈا لاء، ارے مارڈا لاء..... لوگ سمجھے کہ شاند وہ بھی اسی کوشی کے رہنے والے ہیں لیکن اگر وال کے چلانے پر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور وہ بدمعاشوں کی موڑ کی طرف بڑھے ہی تھے کہ ان دونوں نے دو تین ہزار روپوں کے نوٹ مجھ کی طرف پھیک دیئے، لوگ نوٹوں کی طرف پڑھے اور وہ دونوں کار اسٹارٹ کر کے چلتے ہیں۔

”بھی بہت خوب.....!“ فریدی بے تحاشہ ہنسنے ہوئے بولا۔ ”وہ چاہے جو کچھ بھی رہے ہوں لیکن میں ان کی ذہانت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا بھتی کمال کر دیا۔“

”بھی نہیں اور سننے.....!“ جگدیش نے کہا۔ ”اہر وہ لوگ فرار ہوئے اور اہر کسی نے پیچھے سے اگر وال پر پستول سے حملہ کر دیا۔ فائر گر کے اندر سے ہوا تھا، گولی داہنے بازو کو چھید گئی۔ خیر بہت یہ ہوئی کہ ہڈی پر کوئی ضرب نہیں آئی وہ اس وقت ہبتال میں ہیں۔“

”تو یہ فائر ان دونوں کے فرار ہو جانے کے بعد ہوا تھا۔“

”می ہاں.....!“

”اچھا تجوہی تو بالکل صاف ہو گئی ہو گی سیٹھ صاحب کی۔“

”سیکھ تو تجب کی بات ہے کہ ان لوگوں نے تجوہی میں ہاتھ بھی نہیں لگایا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”سیکھ اگر وال کا بیان ہے کہ تجوہی کی ساری چیزیں جوں کی توں موجود ہیں اور کمرے سے کوئی اور چیز بھی چوری نہیں ہوئی۔“

”تب تو یہ کیس واقعی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔“

”بہت دلچسپ.....!“ جگدیش نے کہا۔

”خیر بھی اب تو چائے کا وقت بھی ہو گیا۔“ فریدی نے کہا۔ ”حید چائے مٹکواو..... تو پھر تم نے کیا کیا۔“ فریدی نے جگدیش سے پوچھا۔

”کرتا ہی کیا..... مجھے آتا ہی کیا ہے۔ خواہ تجوہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے آتی شیشہ سے مجرم کی الگیوں کے نشانات طلاش کرتا رہا۔ دو چار اٹھے سیدھے سوالات سینہ صاحب کے گمراہوں سے کئے۔ خود سینہ کا بیان لیا اور بس۔“

”خیر کوئی پریشانی کی بات نہیں..... کام کرنے ہی سے آتا ہے۔“ فریدی نے کہا۔
”وہ تو میں بھی سمجھتا ہوں..... مگر.....!“

”اوہ..... مگر کیا..... سب صحیح ہو جائے گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”لوچائے پو..... شاید تم رات بھر جا گے ہو۔ ناشہ کر کے یہیں سورہ اور اب تو تم اپنے ملتو کے آفیسر انچارج ہو۔ تمہیں اتنی محنت نہ کرنی چاہئے۔ اتنی جلدی ڈی۔ ایس۔ پی یا ایس۔ پی بننے کے خواب نہ دیکھو۔“
”اگر آپ اسی طرح مجھ پر بھر بیان رہے تو اس دن کو بھی دور نہیں سمجھتا۔“ جگد لش نے کہا۔
”جگد لش صاحب..... آپ خواہ تجوہ غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”جو شخص خود آج تک چیف انسپکٹر نہ ہو سکا وہ کیا کسی کو ترقی دلا سکے گا۔“

”شاید تم اس لئے کہہ رہے ہو کہ آج تک سار جنت ہی رہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”میں آپ کے اس خیال کی تردید نہیں کر سکتا.....!“ حمید نے جواب دیا۔

”حمدیم آج انسپکٹر ہو سکتے ہو یکن یہ سمجھ لو کہ پھر ہم تم ایک جگد نہ رہ سکتیں گے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اچھا یہ بتاؤ تمہیں انسپکٹری عزیز ہے یا فریدی۔“

”اب میں کیا عرض کروں..... خود ہی سمجھ لجھے۔ یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں حد درجہ چالپوس واقع ہوا ہوں۔“

فریدی اور جگد لش ہنٹے گلے۔

”اچھا تو پھر انسپکٹر بخواہی دیا جائے۔“

”نہیں محفوظ رکھئے۔ رات میں جو تین چار گھنٹے سولیتا ہوں اس سے بھی جاؤں۔.....“

”خدا حفظ کر کے ہر بلا سے۔“

یہاں آتے وقت جگد لش راست بھر پر سوچتا آیا تھا کہ فریدی ایسا عجیب و غریب کیس سن

کراچیل پڑے گا۔ واردات کے متعلق سوالات کی بوجھاڑ کر دے گا کچھ دیر تک ناک بھوں پر زور دے گا اور پھر انہ کر شہلے گا۔ لیکن ان سب باتوں کے خلاف اس وقت فریدی کا رویدہ دیکھ کر اسے سخت حیرت ہوئی۔ اصل موضوع کو چھوڑ کر وہ نہ جانے کہاں کے بکھیرے نکال بیٹھا تھا اور اب حید اور فریدی میں بالکل سچی حتم کی باتیں چھڑ گئی تھیں۔ فریدی اسے چارہ بھا تھا اور وہ جلا جلا کر جواب دے رہا تھا۔ جملہ نے پھر اصل موضوع کی طرف آنے کی کوشش کی۔

”ایک بات میری سمجھ میں نہیں آتی۔“ جملہ نے چائے کی پیالی رکھتے ہوئے کہا۔

”آخر مجرم آئے کس نیت سے تھے۔ کیا انہوں نے محض اس نے اتنا بڑا خطرہ مول لیا تھا کہ مکان میں صرف بھل کرو اپس پلے جائیں۔“

”اتی معمولی سی بات بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آتی۔“ حید نے کہا۔ ”مقصد اصل میں سینہ اگر وال کو قتل کرنا تھا، مجرم یقیناً دو سے زیادہ رہے ہوں گے۔“ نے بھاگ دوڑ کر لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کیا اور تیرے نے سینہ پر گولی چلا کی اور اسی ہنگامہ میں وہ بھی نکل بھاگا۔“

فریدی مسکانے لگا۔

”کیا بھینے کی باتیں کر رہے ہو۔“ فریدی نے سکار کا سکش لے کر کہا۔ ”اگر قتل عی کرنا تھا تو اتنا شور بھانے کی کیا ضرورت تھی ان دونوں نے جس طرح خاموشی سے سینہ اگر وال کو کرسی میں باندھ کر اس کے منہ میں کپڑاٹھوٹس دیا تھا اسی طرح اس کا گاہکونٹ کر اسے مار بھی سکتے تھے۔ وہ لوگ جو اتنی ذہانت کا ثبوت دے کر نکل بھاگے ہوں اتنے لغو پاٹ نہیں بنا سکتے۔“

”یہ تو آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں۔“ جملہ جلدی سے بولا۔

”اصل میں جو چیز زیادہ حیرت انگیز ہے وہ یہ کہ اتنے چالاک آدمیوں نے سینہ کو اتنی بداختیاطی کے ساتھ کیوں بے بس کیا کہ وہ ان کے پیٹ پیچرے تھی آزار ہو کر چینخنے لگا۔ جو لوگ اتنے ذہین ہوں کہ تعاقب کرنے والوں سے پیچا چھڑانے کے لئے ان پر نوٹ بر سادیں اُنکی حماقت نہیں کر سکتے۔“

”آئی یہ بات بھی سوچنے والی ہے۔“ جملہ نے کہا۔

"یہاں کون سی ایسی بات ہے جو سوچنے والی نہیں ہے۔" حمید بولا۔

"ہاں یہ تو بتاؤ۔" فریدی نے جگدیش سے کہا۔ "بھرموں نے جو نوٹ پھیکے تھے ان میں سے کوئی نوٹ تمہیں بھی دستیاب ہوا۔"

"جی ہاں..... ایک سور و پے کا نوٹ ہے!" جگدیش نے جیب سے ایک تہہ کیا ہوا نوٹ نکالتے ہوئے کہا۔ "یہ نوٹ ایک پان والے کو ملا تھا جس کی دوکان سینہ اگر وال کی کوئی کے قریب ہے۔"

فریدی نوٹ لے کر دیکھتا رہا۔

"اس پر اچمیریل پینک کی مہر پڑی ہوئی ہے۔" فریدی بولا۔

"میرا ارادہ ہورہا ہے کہ اس نوٹ کو لے کر اچمیریل پینک جاؤں۔" جگدیش نے کہا۔

"بہت ممکن ہے کہ یہ اب سے ایک سال قبل وہاں سے ایشو کیا گیا ہو۔ اس طرح پہلنا محال ہے۔"

"پھر آخر تباہیے کہ میں کیا کروں۔" جگدیش نے کہا۔

"دھیرج دھیرج.....!" فریدی فس کر بولا۔ "آخر اتنی جلدی کیوں ہے۔ اس سے بھی معمولی قسم کی وارداتوں میں مہینوں خاک چھانٹی پڑتی ہے۔"

"تم ایک ہی دن میں تاج محل کیوں تحریر کرڈا النا چاہتے ہو۔"

"اچھا تو صاحب..... اب میں جا کر سوتا ہوں۔ یہ کیس میرے بس کاروگ نہیں اور میں یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ اپنی ناطی کا شوت دوں، اگر آپ نے مجھے حلقة کا آفیسر انچارج بناؤ کر اس جبال میں پھنسوایا ہے تو آپ ہی اسے بھی سنjalائے۔"

"بھی میں تمہاری مدد کے لئے ہر وقت تیار ہوں.....!" فریدی نے کہا۔ "لیکن اس کی کیا صورت ہوگی۔ رام نگہداری کی اور بات تھی معاملہ کسی نہ کسی طرح نہ ہی گیا یہاں دشواریاں پیش آسکتی ہیں اور پھر اگر کسی طرح بھاڑا پھوٹ گیا تو تمہاری بڑی بحث ہوگی۔ دیسے میں تمہیں ہر قسم کے مشورے دینے کے لئے تیار ہوں۔"

”خیر کچھ سی..... آپ کی مدد کے بغیر یہ گاڑی چلتی نظر نہیں آتی۔“

”میں پہلے ہی کہہ چکا کہ تمہاری مدد ضرور کروں گا۔ مگر اس سلسلہ میں کوئی ایسا اقدام نہیں کر سکتا جس سے تمہاری اس شہرت کو دھکا لے جو تم نے رام علیہ السلام دالے کیس میں حاصل کی ہے۔“

”اچھا تو پھر اب میں چلوں۔“ جنکلیش نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ذرا اس نوٹ کا نمبر تو مجھے لکھوا دو۔“ فریدی نے الماری پر سے نوٹ بک اٹھاتے ہوئے کہا۔ جنکلیش نے نوٹ اس کے ہاتھ میں دے دیا۔ نمبر لکھ کر فریدی نے وہ نوٹ اسے پھر یہ کہتے ہوئے واپس کر دیا کہ تم بینک مت جانا، ورنہ خواہ مخواہ اپنی تاجر پکاری کی وجہ سے کام خراب کر دو گے۔ جنکلیش کے چڑے جانے کے بعد وہ گھری سوچ میں ڈوب گیا۔

”کہنے کیا خیال ہے۔“ حید نے مسکرا کر کہا۔

فریدی بھی بے اختیار مسکرا پڑا۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر گولی کس نے چلائی۔“ فریدی نے کہا۔

”یہی تو سوچنے کی بات ہے۔“ حید بولا۔ ”لیکن آخر یہ آپ کو سوچی کیا تھی۔“

”ہر بات اگر تمہاری سمجھ میں آنے لگے تو بات ہی کیا رہ گئی۔“ فریدی نے کہا۔

”آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ اگر پکڑ لئے گئے تو کیا حشر ہو گا۔“

”برخوردار دو ہزار روپے کا خون اس لئے نہیں کیا تھا کہ پکڑ لئے جائیں۔“

”مگر میں وقت پر آپ کو سوچی خوب..... میرے تو ہاتھ پر پھول گئے تھے۔“

”میں وقت پر نہیں سوچی..... میں اس کے لئے پہلے ہی سے تیار ہو کر گیا تھا۔ ورنہ یونہی خواہ مخواہ دو ہزار کے بذل جیب میں لئے پھرنے کی کیا بحکم ہے۔“

”بہر حال خدا کا شکر ہے کہ بتیر و خوبی نکل آئے۔“ حید نے کہا۔

”اور یہ سارا الٹو محض تمہاری وجہ سے ہوا، میں نے تو تم سے اسے باندھنے کیلئے کہہ کرخت ناطھی کی تھی، یہ کام مجھے ہی کرنا چاہئے تھا۔ ورنہ وہ کیا اس کا باپ بھی آواز نہیں نکال سکتا تھا۔“

”اس کا باپ تو واقعی آواز نہ نکالتا۔“ لیکن خدارا یہ بتائیے کہ آخر آپ نے یہ سب کس

لئے کیا تھا۔"

"ابھی نہیں..... جب تک یہ معلوم ہو جائے کہ اگر والپر کوئی کس نے چالائی تھی، میں

کچھ نہ بتاؤں گا۔"

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس وقت تک اختلاج میں جھار ہوں۔" حمید نے کہا۔

"نہیں، تم اس دوران میں خیرہ مردار یہ اور عرق مشک استعمال کر سکتے ہو۔" فریدی فس

کر بولا۔

"اچھا یہی بتا دیجئے کہ آپ نے اس تجویری سے کیا چیز نکالی تھی جس کا اسے بھی علم نہیں۔"

"کمال کیا تم نے، اسے علم کیوں نہیں..... وہ اچھی طرح جاتا ہے۔ لیکن بتانے کی مت

نہیں کر سکتا۔"

"چلنے اب تو آپ نے اور بھی الجھاد دیا۔" حمید نے کہا۔ آخر آپ مجھ سے یہ راز کیوں

چھپا رہے ہیں جبکہ میں آپ کا شریک کار بھی ہوں۔"

"بات دراصل یہ ہے کہ اگر میں تمہیں بتاؤں تو اس معاملہ میں تمہاری ساری دلچسپی ختم

ہو جائے گی اور تم اچھی طرح کام نہ کر سکو گے۔"

"میں وعدہ کرتا ہوں کہ اپنی دلچسپی ختم نہ ہونے دوں گا۔" حمید نے کہا۔

"دلچسپی لینا یا نہ لینا اپنے بس کی بات نہیں۔ جتنی زیادہ جو چیز ہماری نظر ہوں سے پوشیدہ

رہتی ہے اتنا ہی ہم اسے بے نقاب کرنے کے خواہش مند رہتے ہیں اور اس کے ظاہر ہو جانے
کے بعد خود بخود ہماری دلچسپی ختم ہو جاتی ہے۔"

"بہر حال تو آپ نہیں بتائیں گے۔" حمید نے بے دلی سے کہا۔

"ارادہ تو بھی ہے اور ساتھ ہی یہ امید بھی ہے کہ تم براہ مانو گے۔"

"اس پر غور کروں گا کہ بر ا manus یا non manus!" حمید نے کہا۔ اچھا یہی بتا دیجئے کہ

آخر آپ نے جگدیش سے نوٹ کا نمبر کیوں لیا ہے۔"

"ہاں یہ بتا سکتا ہوں، مجھ سے ایک بڑی حماقت ہوئی۔ وہ یہ کہ میں نے ان بندلوں میں

چکھ سروپے کے نوٹ بھی رہنے دیئے تھے حالانکہ مجھے یہ نہ کرنا چاہئے تھا۔ پینک سے سو روپے کے نوٹ نمبر لکھے بغیر ایشوں بھیں کئے جاتے۔ اگر جگدیش نے اس کے متعلق چھان بن شروع کر دی ہوتی تو بڑی مشکل آپزی۔ میں نے پرسوں عی پینک سے یہ روپے مگوائے تھے۔

مجھے امید ہے کہ میری ہدایت پر عمل کرتے ہوئے وہ خود پینک نہ جائے گا۔“

”اگر یہی بات تھی تو پھر آپ نے وہ نوٹ اسے واپس کیوں کر دیا۔“

”مگر اؤ نہیں..... وہ پھر میرے پاس واپس آجائے گا۔“ فریدی نے کہا۔

”وہ کیسے.....؟“

”نہایت آسانی سے..... میں نے جو پروگرام اس وقت بنایا ہے اس پر عمل کئے بغیر کام

نہ چلے گا لیکن اس کے لئے خصوصاً جسمیں ہمت سے کام لیتا پڑے گا۔“

”آپ پھر گول مول باتیں کرنے لگے۔“

”اچھا تو خیر سنو..... اب ہمیں متواتر کئی دنوں تک مختلف مقامات پر اپنی رات والی حرکت دہرانی پڑے گی۔“

”ارے واہ..... ارے واہ..... واہ.....!“

”بس نکل گئی جان.....!“ فریدی نے کہا۔ ”اس کا ذمہ میں لیتا ہوں کہ تم پکڑے نہ جاسکو گے۔“

”میں کہتا ہوں آخر آپ کو ہو کیا گیا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”بھی جسمیں اس سے کیا بحث..... اگر میرا ساتھ دے سکتے ہو تو خیر، میں زبردستی مجبور نہ کروں گا۔“

”میری جان عجیب مصیبت میں پڑ گئی۔“ حمید بولا۔

”نہیں اس میں پریشانی کی کوئی بات نہیں۔ اگر تم انکار کرنا چاہو تو بخوبی کر سکتے ہو۔ مجھے اس کا کوئی ملال نہ ہو گا۔“

”خیر جہاں آپ وہاں میں..... لیکن اتنا تو بتا دیجئے کہ آپ کے بیان کے مطابق جب

کل رات آپ کو کامیابی ہو گئی تو پھر اب ادھر ادھر ہڑبوگ مچانے سے آپ کا کیا مقصد ہے۔“
”اب تم نے کی ہے قاعدے کی بات..... اچھا سنو..... اب یہ چیز ضروری ہو گئی ہے کہ
کسی نہ کسی طرح وہ نوٹ جگدیش کے قبضہ سے نکالنا ہی ہے ورنہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم لوگ
کسی مشکل میں پھنس جائیں۔“

”لیکن اس طرح وہ نوٹ ہمیں کیسے مل سکے گا۔“

”جب ہم لوگ اسی طرح کی دو تین عجیب و غریب وارداتیں اور کر گز ریس گے تو یہ کیس
خواہ نتوہ سول پولیس کے ہاتھ سے نکل کر ہم تک آئے گا۔ کیا یہ عجیب بات نہ ہو گی کہ دوڑا کو بالا
مقصد لوگوں کے گھروں میں کھس کھس کر تجوہیوں کا جائزہ لیتے پھرتے ہیں۔“

”سوچا تو آپ نے خوب ہے۔ لیکن.....!“

”دیکھو میاں صاف بات..... لیکن ویکن کا میں قائل نہیں۔ جو کچھ میں کرنے جا رہا ہوں
اسکے متعلق میں نے پہلے یعنی سے بہت کچھ سوچ رکھا ہے اور اب تو صرف ہمت کی بات ہے۔“
”خبر صاحب! جیسا بھی کچھ ہو گا دیکھا جائے گا لیکن اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہوں گے کہ
شور و غل ہو جانے کے بعد بھاگ نکلنے والی ترکیب تو اب کام نہ دے گی کیونکہ اس وقت تک
اس کی شہرت سارے شہر میں ہو گئی۔ اس لئے اب لوگوں کو چکر نہ دیا جائے گا۔“

”یہ ضروری نہیں کہ میں وہی پرانی لکیر پیٹا رہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”اول تو اب ہزار
ہونے کے امکانات نہ ہو نے دوں گا اور اگر اتفاق سے ایسا ہو بھی گیا تو اسی وقت کوئی اور
تمہیر کر لی جائے گی اور یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ میرا ذہن ہمیشہ خطرات میں پڑنے کے بعد یہ
تیزی سے کام شروع کر دیتا ہے۔“

”بھلا اس حقیقت سے کس کافر کو انکار ہو سکتا ہے۔ لیکن.....!“

”پھر وہی لیکن.....!“ فریدی نے جھلا کر کہا۔ ”آخر چھین لیکن کا خط کیوں ہو گیا ہے۔
میں تو بار بار تم سے کہہ رہا ہوں کہ اگر تمہاری ہمت نہ پڑتی ہو تو صاف انکار کر دو۔ میں اکیلے یہ
یہ کام کر لوں گا۔“

”آپ پھر غلط سمجھے ہیں۔ میں بہر حال آپ کے ساتھ ہوں گا جا ہے آپ وہ کام غلط کر رہے ہوں یا سمجھ۔ کہنا تو صرف اتنا ہے کہ جب قانون کے مخالف ہی قانون لٹکنی پر آمادہ ہو جائیں تو پھر اور وہ کا اللہ ہی مالک ہے۔“

اس بات کو میں شائد تم سے زیادہ سمجھتا ہوں۔ فریدی نے بُرا سامنہ بنا کر کہا۔ ”لیکن جب تم پر اس کام کی اہمیت ظاہر ہوگی تو تم بھی قانون کے خلاف جرم کی مدد کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے۔ لیکن میں ابھی تمہیں اس راستے آگاہ نہیں کر سکتا۔“

شہر میں ہاچل

تن دن سے شہر کی پولیس بُری طرح پریشان تھی۔ سینھ اگر وال کے واقعہ کے بعد سے اب تک اسی طرح کی دو اور وارداتیں ہو چکی تھیں، شہر کے مشہور دولت مندوں کی تجویریاں کھوئی جائیں لیکن کوئی چیز عائب نہ ہوا اور تجویریوں کو کھولنے والے صاف قیچ کر نکل جائیں۔ اور یہ بھی عجیب بات تھی کہ یہ ساری کی ساری وارداتیں جگدیش کے عی طقہ میں ہو رہی تھیں۔ جگدیش کوئی بار فریدی سے مل کر اس سے مدد کا خواہاں ہوا۔ مگر ہر بار اس نے دم دلاسردے کر رخصت کر دیا۔ آج بھی وہ دری سے بیٹھا فریدی کا دماغ چاٹ رہا تھا۔

اب آپ عی تبايئے کر میں کیا کروں۔ بڑی بد ناہی ہو رہی ہے میری۔ ”جگدیش نے کہا۔“ ”اچھا بھی تم پریشان کیوں ہوتے ہو۔ آج میرا ارادہ ہے کہ رات میں تمہارے حلقة کا گشت کروں، مگر یہ بات کسی سے کہنا نہیں۔“

”ارے نہیں صاحب! کبھی زبان پر بھی نہ لاؤں گا۔ آپ کچھ سمجھتے تو.....!“ جگدیش نے کہا۔ ”تو کیا آپ ہم لوگوں کے ساتھ گشت سمجھتے گا۔“

”تم لوگوں کے ساتھ گشت کرنے سے کیا فائدہ.....!“ تم لوگوں کا طریقہ اگر کار آمد ہوتا تو

اتنے دنوں تک خاک کیوں چھانی پڑتی۔ میں تھا گشت کروں گا۔ میں نے ان بھاگنے والوں کا نقش اپنے ذہن میں مرتب کر لیا ہے۔“

”تو اچھی بات ہے۔ میں اب مطمئن ہو گیا ہوں..... ممکن ہے رات میں کہیں آپ سے ملاقات ہو جائے کیونکہ آج کل میں بھی رات بھر مارا پھرتا ہوں۔“ جملش نے کہا۔

”بات ہی ایسی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اور یہ عجیب بات ہے کہ یہ ساری وارداتیں تمہارے ہی طبق میں ہو رہی ہیں۔“

”یہی تو بڑی حرمت کی بات ہے۔“ جملش نے کہا۔ ”نہ جانے ان دنوں کو مجھ سے کیوں اتنی پر خاش ہو گئی ہے۔ کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ کہیں یہ ہمارے ہی محلگہ کے کسی آدمی کی شرارت نہ ہو۔ کیونکہ میرا اتنا جلد ترقی کر جانا ہر ایک کو لکھ رہا ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ انہیں میں سے کوئی میری بدنامی کے لئے کوشش ہو۔“

”تم نے بات تو بہت منقول سوچی ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”بہت ممکن ہے کہ بھی بات ہو، میں بھی اس چیز کو عرصہ سے محبوں کر رہا ہوں کہ تمہارے بعض ساتھی تم سے بڑی طرح جلنے لگے ہیں۔“

”جی ہاں یہی تو بات ہے اور یہی وجہ ہے کہ انکا ہاتھ گلتا کچھ دشوار سامعوم ہو رہا ہے۔“
”فلمت کرو.....! ہاتھ تو وہ اس طرح لگیں گے کہ بس دیکھتے ہی رہ جاؤ گے مگر ایک بار پھر کہے دیتا ہوں کہ رازداری شرط ہے۔“

”اڑے آپ بھی کمال کرتے ہیں۔ میں کوئی پچ تو ہوں نہیں کہ معاملات کو نہیں سمجھتا۔ آپ مطمئن رہئے کسی کو کانوں کا نخبر نہ ہونے پائے گی، اچھا تو اب میں اجازت چاہوں گا۔“
جملش کے چلے جانے کے بعد فریدی بے تحاشہ ہنسنے لگا۔

”خوب یہ تو ف بنا رہے ہیں آپ بیچارے کو.....!“ حمید نے کہا۔
”یہ تو ف نہیں بنا رہا ہوں بلکہ میں اس کے لئے ترقی کے دروازے کھولنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“

”آپ کی باتمی آپ جائیں..... یا جانے خدا..... میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آتا۔“

”اپنی بساط کے مطابق کافی سمجھ لیتے ہو گئے میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ میرے بعد تم ہی میری جگہ لو گے۔“

”اچھا تو اب مجھے بھی گھنٹا شروع کر دیا۔“ حمید نے فس کر کہا۔

”خیر چھوڑو ان پاؤں کو۔“ فریدی نے کہا۔ ”یہ بتاؤ آج کہاں ہاتھ مارا جائے گا۔“

”لکھاں اچھا بھی چھوڑیے۔“

”پیچھا تو اس وقت تک نہیں چھوٹ سکا جب تک کہ یہ کیس میرے ہاتھ میں نہ آ جائے۔“

”اس بار شاید ان گدوں نے بھی قسم کھارکی ہے کہ معاملہ ہم تک نہ پہنچنے دیں گے۔“

حمید نے کہا۔

”کب تک..... کسی دن کوئی الگی حرکت کر دیجوں گا کہ معاملہ خود بخوبی ملتا ہوا ہم تک چلا آئے گا۔“ فریدی نے فس کر کہا۔

”تو کیا کوئی بیانگل کھلانے کا ارادہ ہے۔“

”یقیناً..... اگر دو دن کے اندر اندر یہ کیس میرے پر دنیں ہوتا تو مجبوراً مجھے گلزار صاحب کے بغلہ میں بھی گھٹا پڑے گا۔“

”اس دن مجھے معاف ہی رکھئے گا۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”واہ بیٹا..... بڑے اچھے رہے۔ جب امتحان کا وقت آیا تو جان نکل گئی۔ تبھی تو دیکھی جائے گی تمہاری بہادری۔“

”لا حول ولا قوۃ.....!“ حمید نے کہا۔ ”کتنی بار آپ کو یقین دلا چکا ہوں کہ میں انجامی بزدل ہوں مگر آپ کچھ ساعت نہیں کرتے۔“

”میں جانتا ہوں کہ تم مذاق کرتے ہو۔“

”میں نہیں..... آپ اس طرح مت جان لیا کچھ نہیں۔ میں انجامی بزدل واقع ہوا ہوں۔“

”اچھا بکواس بند، آج سینہ کرم چند کے یہاں..... کیا کچھ۔“

”مارڈا لالا.....!“ حمید بوكھلا کر بولا۔ ”آج یقیناً پکڑیں جائیں گے۔ ارے اس کی کوئی تو کوتولی کے قریب ہی ہے۔“

”ہوگی.....!“ فریدی نے کہا۔ ”اس سے کیا ہوتا ہے۔“

”اس سے کچھ ہوتا ہی نہیں..... ارے اس سے یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات گولی لگ جانے کا خطرہ ہوتا ہے، پکڑ کر بند کر دیتے جانے کا احتمال رہتا ہے..... اور.....!“

”اچھا اچھار بنے دیجئے..... آج میں اکیلے ہی جاؤں گا۔“

”خدا آپ کو ہمیشہ خوش رکھے.....!“ حمید نے کہا۔

”اچھا تو کیا واقعی آپ اسے مجھے سمجھے..... برخوردار اس پھیر میں نہ رہنا۔ تم تو کیا تمہاری کھیاں بھی چلیں گی۔“

”آپ شوق سے میری بھیوں کو اپنے ہمراہ لے جاسکتے ہیں۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ لیکن مجھے معاف ہی کر دیجئے تو زیادہ بہتر ہے۔“

”بہت اچھا..... دیکھا جائے گا۔“ فریدی نے جنگلہ لار کر کہا اور آنکھیں بند کر کے آرام کری پریٹ گیا۔

حمدی بھی کچھ سوچ رہا تھا۔ دھنلوادہ مکرانے لگا اس کے چہرے پر شرات کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔

”میرے خیال سے تو آج بھی وہیں چلتا چاہئے جہاں کل گئے تھے۔“ حمید بولا۔

”یہ نیا خیال آپ کے ذہن میں کیسے پیدا ہوا۔“ فریدی نے بدستور آنکھیں بند کئے ہوئے کہا۔

”وہ جو وہاں سورہ تھی کیا چیز تھی..... خدا کی قسم.....!“ حمید نے کہا۔

”اچھا تھی.....!“ فریدی نے آنکھیں کھول دیں۔

”کیوں..... کیا آپ کو پسند نہیں آئی۔“

”تو کیا میں وہاں اسی کو پسند کرنے لگیا تھا۔“

"تو اور کیا..... اس طرح لوگوں کے گھروں میں سمجھتے پھر نے کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔"

"بہت خوب..... یعنی دریافت ہے۔ کیا کہتا۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"آپ چاہے جتنا بنا میں مجھے تو اب یقین آگیا ہے کہ یہ آپ کی کچھ بھروسے کی جنی زندگی ہی کی ایجاد ہے۔" حمید سنجیدگی سے بولا۔

"دیکھو میاں حمید تم ابھی صاحبِ زادے ہو۔" فریدی پس کر بولا۔ "تم اس طرح کی گفتگو کر کے مجھ سے میرا راز نہیں اگلو سکتے۔ یہ ساری باتیں تمھیں اسی وقت معلوم ہو سکیں گی جب میں چاہوں گا۔"

حمدی سنجیدگی سے بولا۔

"اور اگر تم اس راز کو معلوم کرنے کے لئے اتنے ہی بے جیلن ہو تو پھر تمھیں وعی کرنا چاہئے جو میں کہوں۔"

"اے صاحب تو میں نے انکار کب کیا ہے۔" حمید نے کہا۔

"نہیں..... تم شائد سمجھنے لگے ہو کہ تمہارے بغیر میرا کام نہ حل سکے گا۔ تمہارا یہ خیال غلط ہے۔" فریدی نے کہا۔

"لیجئے..... آپ تو پھر نہ ارض ہو گئے۔ میں کب کہتا ہوں کہ میں آپکا ساتھ نہ دوں گا۔"

"اچھی بات ہے تو اسی بات پر اب تیاری شروع کر دو۔ اس وقت پانچ بجے ہیں۔ ٹھیک ایک بجے ہم لوگ یہاں سے روانہ ہو جائیں گے۔ چھوٹی کار کے نمبر کی پلیٹ بدلت دو اور ہاں اس کے اوپر دوسرا پاٹش تو ہو یعنی گیا ہو گا۔"

"جی ہاں..... ہرے رنگ کا پاٹش کر دیا ہے۔"

"بہت خوب..... ان کروں سے تو مدد نہیں لی تھی۔"

"آپ شائد سمجھے زاگھاڑی سمجھتے ہیں۔"

"زماں تو نہیں..... البتہ کچھ ضرور سمجھتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔ "آؤ ذرا جمل کر اسے دیکھو لیں۔"

فریدی اور حمید کرے سے نکل کر گیراج کی طرف آئے۔ حمید نے گیراج کا تالا کھولا۔ یہ

گیراج ہمیشہ بند رہتا تھا۔ اس میں ایک چھوٹی سی کارچی جسے فریدی مخصوص موقعوں پر استعمال کرتا تھا۔ اس کے بہت سے ملنے والوں کو بھی اس کا علم نہیں تھا کہ فریدی کے پاس دو کاریں ہیں۔ ملازمین میں سے صرف ڈرائیور کو اس کا علم تھا لیکن اسے بھی آج تک اس کار کو چلانے کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ شہر میں ہوتے والی وارداتوں کے سلسلہ میں آج کل فریدی اور حمید اسی کار کو استعمال کر رہے تھے۔ روزانہ اس کے اوپر ایک ٹیارگٹ پھیر دیا جاتا کرتا تھا۔ یہ خدمت حمید کے سپرد گئی۔ وہ کسی نہ کسی طرح اسے اللایہ حالیپ پوت کر رکھ دیا کرتا تھا۔

”خوبی نے گیراج میں جا کر کار کا جائزہ لیا اور باہر نکل آئے۔

”اُرے یہ اس وقت یہ محترمہ کہاں سے فیک پڑیں۔“ فریدی نے چھانک کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حمدی نے بھی پٹ کر دیکھا، شہناز بھروسی چھانک سے اندر آ رہی تھی۔

”کیوں کیا آپ کو اس کا آنا اگر ان گزرتا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”نہیں بھی۔ اس وقت کی بات ہے، معلوم نہیں کتنی دیر یا کم بیٹھے، سازھے نہ تو ہوئی چکے ہیں۔“ فریدی بولا۔

”خیر شکر ہے کہ آپ لوگ ملے تو !“ شہناز قریب آ کر بولی۔ ”میں کل بھی آئی تھی۔“

”کیا ہاتھ میں آج کل ہم لوگ بہت بُری طرح مشغول رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔

”چلو اندر چلو۔“

وہ تینوں ڈرائیور روم میں آ کر بیٹھ گئے۔

”میں اس لئے آئی ہوں کہ آج سہاگ رات کا آخری دن ہے۔“

”کیا مطلب ؟“ فریدی شراحت آمیز ہی کے ساتھ بولا۔

شہناز اپنے جملہ کی حفاظت پر جھینپ گئی۔

”میرا مطلب یہ ہے کہ کل پلازا میں دوسری فلم لگ جائے گی۔“ شہناز جھینپ ہوئے انداز میں بولی۔

”اوہ تو یہ کہو کہ تم آج قلم سہاگ رات دیکھنا چاہتی ہو۔“ فریدی نے کہا۔

”مجی ہاں.....!“

”تو جا کر دیکھ آؤ، اچھی قلم ہے۔“

”اکیلے دیکھ آؤں، کیا آپ لوگ نہ چلیں گے۔“

”نہیں بھائی..... ابھی دو تین دن تک ہم لوگ بہت زیادہ مشغول رہیں گے۔“ فریدی

نے کہا۔ ”اچھا میں ابھی آتا ہوں۔“

فریدی باہر چلا گیا۔

شہزاد اس طرح مد پھلانے بھی ہوئی تھی جیسے وہ حمید سے روشنی ہوئی ہو۔

”کیوں کیا بات ہے، کیا مجھ سے ناراض ہو۔“ حمید نے کہا۔

”میں کون ہوتی ہوں ناراض ہونے والی، بھلا اپنے محضوں سے کوئی ناراض بھی ہوتا ہے۔“

”پھر وہی بات، آخر تم مجھے اتنا ستانی کیوں ہو۔“

”یہ لمحے..... یہ دوسری رہی، میں ہوتی کون ہوں ستانے والی۔“

”آخر میں نے کیا کیا ہے جو اس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔“

”میری باتیں اسی طرح نہیں لگتی ہیں آپ کو، اچھا لمحے چلی جاتی ہوں۔“

”اورے بھی میخو..... اورے میں نے کیا کہہ دیا جو اس طرح ناراض ہوتی ہو۔ اورے

ارے ستو تو سکی۔“

”نہیں صاحب..... میں واقعی بڑی بے حیا ہوں کہ خواہ خواہ آپ کے یہچے لگتی ہوں۔“

”خدا کے لئے ہاؤ تو سکی کہ میرا کیا قصور ہے۔ خواہ خواہ اس طرح سے گلنانے کی کیا

ضرورت ہے۔“

”میری تو ہر بات اسی طرح خواہ خواہ کی ہوتی ہے۔“

”دیکھو میں اپنा� سر پھوڑ لوں گا۔“

”نہیں ایسا کرنے کی ضرورت نہیں، میں انشاء اللہ بھی آپ سے نہ طوں گی۔“

”آخر کیوں.....؟“

”مجھے کیا پڑی ہے کہ خواہ خواہ آپ سے باتیں کر کے آپ کا سرچ چوڑا داڑا لوں۔“

”خدا کی قسم میں ہار گیا، لو بولتا ہوں..... گھروں کوں، گلزوں کوں، گلزوں!“

”اے اے چپ رہئے۔ فریدی صاحب کیا کہیں گے۔“ شہزاد حمد ابر بولی۔

”نہیں صاحب..... میں تو بولوں گا..... گلزوں کوں!“

”خدا کے لئے چپ رہئے، یہ آپ کیا کرنے لگے۔“

”فریدی صاحب پوچھیں گے تو کہ دوں گا کہ تم اس وقت مجھ سے صرف مرغے کی بولی سننے کے لئے آئی تھیں... گلزوں کوں..... گلزوں کوں!“

”خدا کے لئے چپ رہئے..... یہ آپ کیا کرنے لگے۔“

”اچھا وحدہ کرو کر اب میشی میشی باتیں کرو گی۔ ورنہ میں یونہی چیختے جاؤں گا۔“

”اچھا بابا..... میں ہار گئی لیکن یہ بتائیے کہ آپ دو تین دن سے آئے کیوں نہیں، آج میرے ساتھ قلم دیکھنے کے لئے کیوں نہیں چلتے۔“

”ہاں یوں بات کرو، بات یہ ہے کہ آج کل ایک خاص مسئلہ درپیش ہے۔ شہر میں جو درداتیں ہو رہی ہیں اکے متعلق تو تم سن یہ چکی ہو گی، آج کل رات بھر ہم لوگوں کو گشت کرنا پڑتا ہے۔“

”واقعی یہ وارداتیں عجیب ہیں، سارے شہر میں پھیل چکی ہو گئی ہے۔ میں نے تو آج تک اس قسم کی وارداتیں نہیں سنیں، سمجھو میں نہیں آتا کہ یہ ڈاکو گھروں میں کیوں گھتے پھرتے ہیں جب کہ وہ وہاں سے کوئی چیز لے نہیں جاتے۔“

”یہی تو حرمت کی بات ہے.....!“ حیدر گلیں جمپکاتے ہوئے بولا۔ ”اس معاملہ میں فریدی صاحب جیسا مشاق چاوس بھی حرمان ہے۔“

”لوگوں کا خیال ہے کہ ڈاکوؤں کو کسی خاص چیز کی طلاش ہے۔“ شہزاد بولی۔

”ہم لوگ بھی یہی سوچ رہے ہیں۔“ حیدر نے کہا۔

”اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ یہ ڈاکونہ تو کسی پر حملہ کرتے ہیں اور نہ اس سے ڈرتے

ہیں کہ کہنی وہ پکڑنے لئے جائیں، سینہ اگر وال کے یہاں جب وہ گھے تھے تو بہت سے فوٹ
بات کر چلے گئے، عجیب و غریب لوگ ہیں۔“

”لوگ انہیں نہ ابھالا تو ضرور کہتے ہوں گے۔“ حمید بولا۔

”نہیں یہ بات نہیں ہوگ تو ان کی دلیری کی تعریف کرتے ہیں۔“

”یہ بھی عجیب بات ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”اگر کبھی ہم لوگوں کے بھتے چڑھ گئے تو ہم بے

درلنگ گولی چلا دیں گے۔“

”آخر یہ کیوں..... انہوں نے کسی کو کوئی نقصان تو پہنچایا نہیں۔“

”سہی کیا کم نقصان ہے کہ آج کل لوگ رات رات بھروسے نہیں۔“ فریدی نے کرے

میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”اچھا ان لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“ شہزاد نے فریدی سے پوچھا۔

”سہی کہ وہ لوگ پولیس کو اس چکر میں ڈال کر کوئی بڑی واردات کرنا چاہتے ہیں۔“

فریدی نے بتایا۔

”آپ کا خیال صحیح معلوم ہوتا ہے، بہت سے لوگوں کا سہی خیال ہے۔“ شہزاد نے تائید کی۔

”واقعی مجھے افسوس ہے کہ ہم لوگ تمہارے ساتھ قلم دیکھنے نہ جاسکیں گے۔“ فریدی نے

قدرے افسوس ظاہر کرتے ہوئے کہا۔ ”خیر پھر سہی لیکن تم آج جا کر سہاگ رات دیکھاؤ۔“

جھاڑیوں میں

رات تاریک تھی۔ فھاریں سیاہیاں اڑ رہی تھیں۔ وقت کا دیوبن شائد اس وقت کہ زمہری
سے دنیا کی طرف جماں کر رہا تھا۔ سردی بڑیوں میں کمکتی معلوم ہو رہی تھی۔ شاید اس وقت
سو نے والوں کے خواب تک نجہد ہو کر رہ گئے ہوں گے۔

مکنڈ گھرنے دو بجائے اور سینہ کرم چند کے پائیں باغ کے چھانک کے سامنے ایک چھوٹی سی ہرے رنگ کی کار آ کر رکی۔ فریدی اور حمید سیاہ رنگ کے کپڑوں میں ملبوس خاتموں سے اپنے چہرے چھائے اتار کر چھانک کے اندر داخل ہوئے۔ خدا غراہٹ کی آواز نائی دی اور ایک بڑا سا کتا ان پر جھپٹ پڑا۔ لیکن دوسرے عی لمحہ فریدی کے سائلنر لگے ہوئے پتوں کی دو گولوں نے اسے ہیٹھ کے لئے خاموش کر دیا۔ کتے کی غراہٹ کی وجہ سے شاند کوٹھی کا چوکیدار اونگتے اونگتے چوک پڑا تھا۔

”ناسیگر، ناسیگر.....!“ اس نے کتے کو آواز دی۔

بھوکنے کی آواز نہ پا کروہ کھانتا مکنڈ ہمارتا چھانک کی طرف بڑا۔

”میرے خیال سے اب بھاگنا چاہتے۔“ حمید نے چکے سے کہا۔

”ہشت..... میرے چیخھے آؤ۔“ فریدی نے آہت سے کہا اور ماتی کی گتھی جہازیوں میں

چھپ گیا۔ حمید اس کے چیخھے تھا۔

چوکیدار نے تارچ روشن کی اور ادھر ادھر دیکھنا شروع کیا۔

”اڑے یہ ناسیگر کو کیا ہو گیا۔“ وہ خود عی بڑا لیا۔ ”اڑے خون! اسے کس نے ملا۔“ اب

وہ شاید کوٹھی کے ملازموں کے نام لے لے کر جیچ رہا تھا۔ پھر وہ جیختا ہوا کوٹھی کی طرف بھاگا۔

”اب بھی قیمت ہے کہ نکل چلے، ورنہ بڑی مصیبت میں پنس جائیں گے۔“ حمید نے

آہت سے کہا۔

”نہی تو بہترین موقع ہے گھر میں داخل ہونے کا۔“ فریدی نے کہا۔

”آج شاید پکڑے عی جائیں گے۔“ حمید بولا۔

”یکومت.....!“

اتھے میں تاریک برآمدے کے سارے بلب روشن ہو گئے اور باغ میں کافی اجالا ہو گیا۔

کچھ لوگ دوڑ کر چھانک کے قریب آئے اور کتے کی لاش کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ اب ایک اچھا

خاصا شور و غل شروع ہو گیا تھا۔ خدا گشی پولیس کی لاری چھانک کے سامنے آ کر رکی۔

”کیا بات ہے.....؟“ لاڑی سے کسی نے اوپنجی آواز میں پوچھا۔

دو تین آدی دوڑ کر لاڑی کے قریب گئے اور کچھ کہتے رہے۔

لاڑی سے آٹھویں سپاہی اور ایک سب انپکڑ اتر پڑے۔

سب انپکڑ چھاٹک میں کھڑے ہو کر سپاہیوں سے بولا۔ ”وہ دیکھو وہاں کارکیسی کھڑی ہے..... کیا یہ سینہ صاحب کی تو نہیں۔“

”جی نہیں سرکار..... ہماری سب گاڑیاں گیراج میں ہیں۔“

انپکڑ نے ہارچ کی روشنی میں کارکا جائزہ لیا شروع کیا۔

”مگر یہ تو ہرے رنگ کی ہے۔ ڈاکوؤں کی کارتوسیاہ رنگ کی سنی جاتی ہے۔ رحیم خان تم ذرا جا کر اس کا نمبر تو دیکھو۔“

”یہ جکدیش معلوم ہوتا ہے، تُرے پھنسنے۔“ حمید نے آہتہ سے کہا۔

”خاموش رہو.....!“ فریدی بولا۔

جکدیش کتے کی لاش پر جمکا ہوا تھا۔

”ابھی ابھی کسی نے اس پر گولی چلائی ہے۔“ جکدیش نے پاس کھڑے ہوئے آدمیوں کی طرف مرکر کہا۔ ”تعجب ہے کہ تم لوگوں نے گولی چلنے کی آواز نہیں سنی۔“

”نہیں سرکار.....!“ چوکیدار بولا۔ ”میں سینیں برآمدے میں بیٹھا جاؤ رہا تھا میں نے

اس کے غرانے کی آواز سنی تھی لیکن گولی کی آواز مجھے نہیں سنائی دی۔“

”داروغہ تھی..... گاڑی کا نمبر وہ معلوم نہیں ہوتا.....!“ اس آدی نے لوث کر کہا جو کارکا نمبر دیکھنے لگیا تھا۔

جکدیش نے کاشیلوں کو باخ کے اندر بلالیا۔

”ضرور کوئی نہ کوئی سینیں چھپا ہوا ہے۔ آؤ تلاش کریں اور تم رحیم خاں جا کر اس کارکی گرانی کرو۔“

”یہ بہت تُرا ہوا.....!“ فریدی نے آہتہ سے کہا۔ ”اچھا آؤ..... اب چہار دیواری کو

پھلانگنا کوئی مشکل کام نہیں۔ قبل اس کے کر حیم خان کا رنگ پختہ ہمیں اس پر پختہ جانا پا چاہئے۔“
چار دیواری ماتی کی باڑ سے بالکل ملی ہوئی تھی اور جھاڑیوں سے پختی تھی۔ اس لئے وہ
دونوں پینٹر کسی کی نظر پر ہوئے باہر نکل گئے۔

رجیم خان کا دروازہ کھول کر اندر قدم رکھنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی کا زور دار گھونسہ اس
کی بائیں پہنچی پر پڑا۔ رجیم خان کے منہ سے جیخ نکل گئی اور وہ اچھل کر سڑک کے کنارے
جا گرا۔ دوسرے لمحہ میں کار اسٹارٹ ہو چکی تھی۔ جلدیش وغیرہ رجیم خان کی جیخ سن کر چوکے ہی
تھے کہ کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ سب شور چاہتے ہوئے دوڑے گزر کار اتی دی
میں سینکڑوں گز آگے جا چکی تھی۔

”چلو چلو..... جلدی لا ری میں بنھو۔“ جلدیش چھٹا ہوا لا ری کی طرف جھپٹنا۔ بدھوائی میں
لوگوں نے یہ بھی نہ دیکھا کہ ان کا ایک ساتھی سڑک کے کنارے بیویوں پر ہے۔ پولیس کی
لا ری کار کا تعاقب کر رہی تھی۔

”دیکھا آپ نے..... میں نہ کہتا تھا۔“ حمید نے ہاتھ پتھر ہوئے کہا۔

”تم تو اچھے خام سے چند ہو، یہ نہیں دیکھتے کہ مزہ کتنا آیا۔“ فریدی خس کر بولا۔

”گھبرائے نہیں، ابھی اور آئے گا مزہ..... آج خدا ہی عزت رکھتے تو معلوم ہو، پولیس
کی لا ری برابر چیچھا۔ کیونچا جاری ہے۔“

”ڈر نہیں پیٹا..... وہ لوگ ہماری گرد کو بھی نہ پاسکیں گے.....!“ فریدی نے کہا۔

”دیکھتے نہیں کہ وہ ہم سے کسی قدر چیخپے ہیں۔ بس تم رفتار بڑھاتے رہو۔“

”اور جو ایکیڑٹ ہو دا..... تو۔“ حمید نے کہا۔

”اس کی پرواہ تم مت کرو۔ اس وقت ایکیڑٹ کا کوئی امکان نہیں اور پھر ہم تو جگل کی
طرف جا رہے ہیں۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم لوگ اسی طرح اندھا دھنڈ بھاگتے رہیں گے اور وہ لوگ
ہمارا چیچھا کرتے رہیں گے۔ جب ہماری گاڑی کا پڑول ختم ہو جائے گا تو ہم دھر لئے جائیں

گے۔ ”حید نے کہا۔

”کون جانے انہیں کی لاری کا پتوں پہلے ختم ہو جائے۔“ فریدی نے کہا۔

”اگر آپ اسی بھروسہ پر بیٹھے ہیں تب تو ہو چکا۔“ حید کی آواز میں بیزاری سی تھی۔

”اچھا نہ ہو! میں اس لوڑے کو یقیناً بناتا ہوں۔ اگلے موڑ پر کار آہستہ کر دینا میں اتر

چاؤں گا اور پھر تم تیزی سے آگے بڑھ جاتا۔“

”اس سے کیا ہو گا۔“ حید نے کہا۔

”میں پولیس کی لاری روک کر تمہیں نکل جانے کا موقع دوں گا۔ راستو تم نے دیکھا ہے۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔

حید خاموش رہا۔

”رفتار دیکھی کرو.....!“ فریدی نے کار کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ”لاری نظر نہیں آ رہی ہے جلدی کرو۔“

حید نے کار کی رفتار دیکھی کر دی۔

فریدی آہستہ سے اتر گیا اور کار پھر فرانے بھرنے لگی۔ فریدی سڑک کے کنارے اوپنی اوپنی جہاڑیوں کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے ہی پولیس کی لاری دکھائی دی اس نے اپنے پتوں سے اسی طرف فائر کرنے شروع کر دیے جدھر حید کی کار گئی تھی۔

جکلیش نے فائروں کی آواز سن لاری رکوادی۔ فریدی بدستور فائر کئے جا رہا تھا۔ پولیس والے اس کی طرف دوڑے، دھٹاکی نے جہاڑیوں کے چیچے سے فریدی کو اندر کھینچ لیا۔ فریدی جہاڑیوں میں الجھ کر گرپا، ساتھ ہی دو تین آدمی اس پر ٹوٹ پرے۔

”جکلیش جکلیش.....!“ فریدی چیخا۔ ”دوڑو..... ورنہ یہ۔“ وہ اتنا ہی کہہ پایا تھا کہ کسی نے اس کا منہ دبایا۔

پولیس والے جہاڑیوں کے اندر گھس پڑے۔ جہاڑیوں میں عجیب قسم کا خلقشар برپا تھا۔ تھوڑی دیر میں روپا الوروں کی چنگا دیاں چکنے لگیں۔

پولیس پارٹی نے بھی فائر ون کا جواب دینا شروع کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مخالف سمت سے فائر ہونے بند ہو گئے۔ اب پولیس والے آہستہ آہستہ آگے کی طرف ریک رہے تھے۔ فدائی موثر اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ پولیس والے اٹھ کر سڑک کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ پولیس کی لاری اندھیری سڑک پر روشنی بھیرتی ہوئی آگے کی طرف بھاگی جا رہی تھی۔ ”لو یعنی مصیبت آئی۔“ جکلیش جھلا کر ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔ ”کجھت بڑی زبردست چوت دے گئے۔ اب تم سب لوگ اپنی اپنی توکریوں کو روپیٹ لے لو..... لاری گئی۔“ ”تو سرکار اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ کسی ایک کی ذیبوٹی موثر پر لگادی ہوتی۔“ ایک کاشیبل نے کہا۔

”ہاں ہاں اب مجھی پر تو سارا الزام آئے گا۔“ جکلیش نے کہا۔ ”مگر آخر فریدی صاحب کیا ہو گئے۔ میں نے ان کی آواز صاف پہچانی تھی، آؤ انہیں تلاش کریں۔“ ”اور صاحب لاری کا کیا ہو گا۔“ ایک کاشیبل بولا۔

”ہو گا کیا..... اور اب ہوئی کیا سکتا ہے۔ تن پر تقدیر پہنچو، جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔“ وہ سب دوبارہ ٹارچوں کی روشنی میں جھاڑیوں میں گھس پڑے۔ قرب و جوار کا چھپ چھپ چھان ما را مگر کسی کا کوئی سراغ نہ ملا۔ جہاں فریدی کھڑا اتحاد ہاں انہیں ایک فلات ہیئت زمین پر پڑی ہوئی ملی جس پر تازہ خون کے دھبے تھے۔ جکلیش الٹ پلٹ غور سے دیکھنے لگا۔

”چلو یہ ایک کام کی چیز ملی..... شاید اسی سے کوئی سراغ ملے۔“ جکلیش نے کہا۔ ”مگر بڑی حیرت کی بات ہے کہ آخر فریدی صاحب کیا ہو گئے۔ میں نے انکی صاف آواز پہچانی تھی۔“ ”حضور آپ کو ڈھونکا ہوا ہو گا.....!“ ایک کاشیبل نے کہا۔

”ناممکن..... میرے کان مجھے ڈھونکنیں دے سکتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکو انہیں پکڑ لے گئے، معلوم نہیں بے چارے پر کیا افتاب پڑی۔“ ”ہو گا سرکار..... مجھے تو لاری کی گلر کھائے جا رہی ہے۔ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔“ ایک

کاشیبل نے کہا۔

”بھی اب اس کا تذکرہ مت کرو۔ جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔ تم میں سے کسی سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ گولی چلا کر لاری کا ایک آدھ ناڑی برست کر دیتا۔“ جنکلش نے کہا۔

حیرت

”دوسرے دن صبح کتوالی میں ایس پی کے کمرے میں چیف انپکٹری آئی ڈی، سارجنٹ حید، ایس پی اور انپکٹر جنکلش بیٹھے جادلہ خیال کر رہے تھے، میز پر وہی رات والی خون آلود فلت ہیٹ رکھی ہوئی تھی۔

”حید تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ یہ فلت ہیٹ فریدی کی ہے۔“ چیف انپکٹر نے کہا۔

”اے صاحب! مجھ سے زیادہ اسے کون پہچانے گا۔ دیکھنے اس کے اندر جو سانپ کا سر

ہنا ہوا ہے یہ فریدی صاحب نے میرے ہی سامنے فاؤنشن پن سے بنایا تھا۔“

”آخر ہوں نے یہ بنایا کیوں تھا۔“ ایس۔ پی بولا۔

”یونہی بیٹھے باشیں کر رہے تھے فاؤنشن پن ہاتھ میں تھا۔ نوپی گود میں رکھی تھی، باشیں کرتے جاتے تھے اور تصویر بناتے جاتے تھے۔“

”کیا بتاؤں.....!“ چیف انپکٹر نے کہا۔ ”میں نے سینکڑوں بار سمجھایا کہ خواہ خواہ ہر محال میں ناگ موت اڑایا کرو، مگر اسے تو جیسے خط ہو گیا تھا۔ چلا بیٹھتا تو جانتا ہی نہ تھا، معلوم نہیں کیا حشر ہو۔“

”اے صاحب کیا بتاؤں ساری غلطی میری اپنی ہے۔ نہ میں ان سے دوستانہ طور پر مدد کا طالب ہوتا اور نہ وہ اس مصیبت میں جھلا ہوتے۔“ جنکلش نے گلوگیر آواز میں کہا۔

حید کے چہرے پر ہوا یاں اڑ رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

”اور صاحب ایسے ڈاکو تو آج تک میری نظروں سے نہیں گزرے۔“ ایس پی بولا۔

"ابھی تک، بیوں آس کا کہ آخر وہ چاہئے کیا ہیں۔ حیرت تو اس پر ہے کہ وہ لاری بھی یہاں چھوڑ گئے، بلا کے دلیر واقع ہوئے ہیں۔"

"اسی چیز نے تو فریدی کو خچلانہ بیٹھنے دیا، بھلا اس سے اتنا صبر کہاں ہو سکتا تھا کہ وہ باقاعدہ طور پر یہ کیس اپنے ہاتھ میں آنے کا انتظار کرتا۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔

"کچھ بھی ہو، مجھے تو بڑا دکھ ہو رہا ہے.....!" ایسی پی بولا۔ "وہ سارے صوبہ میں تو کیا تمام ہندوستان میں اپنا جواب نہیں رکھتا۔ اگر خدا نخواست اسے کچھ ہو گیا تو یہ سارے ہندوستان کے لئے ایک ناقابل عالیٰ نقصان ہو گا۔"

"اب میں کیا بتاؤں۔" چیف انسپکٹر نے کہا۔ "میرا تو داہنہ بازو نوٹ گیا۔ یقین مائے مجھے کچھ بات کہنے میں کوئی چکچا ہٹ نہیں۔ میرے ہجکہ کا بھرم اسی کے دم سے قائم تھا۔"

"اس میں کیا تھک ہے۔" ایسی پی بولا۔ "اچھا صاحب تو یہ کیس اب میں آپ کے ہجکہ کے پرداز کرتا ہوں اب یہ ہمارے بس کاروگ نہیں رہا۔"

"خبر اب میں چلوں گا، وقت میرا مودودی تھیک نہیں۔" چیف انسپکٹر اشتعل ہوئے بولا۔ "آپ کیس کے سارے کاغذات سارجنٹ حمید کے حوالے کر دیجئے۔ بہت جلد تیکیش شروع کر دوں گا۔ یا بہت ممکن ہے کہ خود میں اس کیس کو اپنے ہاتھ میں لوں۔ کیونکہ فریدی کا اس طرح غائب ہو جانا میرے لئے بہت تکلیف دہ ہے۔"

چیف انسپکٹر کے پلے جانے کے بعد حمید نے کاغذات لئے اور دفتر جانے کی بجائے سید حاگھر آیا۔ سب سے پہلے اسے وہ کام انجام دینا تھا جس کے لئے اتنی دردسری مولی گئی تھی۔ سوروپے کا نوٹ انہی کاغذات میں نہیں تھا اس نے وہ نوٹ نکال کر اس کی جگہ دوسرا نوٹ نہیں کر دیا۔ لیکن اب زحمت یہ آپڑی تھی کہ نوٹ کا وہ نمبر کس طرح مٹایا جائے جو جکلیش نے اپنی رپورٹ میں لکھا تھا۔ حمید تھوڑی دریک کچھ سوچتا رہا پھر اس طرح چونکا جیسے اسے کچھ یاد آگیا ہو۔ وہ اٹھا اور فریدی کے عقایبات کے کمرے سے ایک شیشی نکال لایا، جس میں سفید رنگ کی کوئی سیال نہ تھی۔ یہ ایک سیاہی اڑانے کا نادر و نایاب لوشن تھا، جسے فریدی نے ایک

نیپالی سیاح سے بنوایا تھا۔ لوشن لگاتے ہی نوٹ کا نمبر کاغذ سے اس طرح غائب ہو گیا جیسے وہاں کبھی کچھ لکھا ہی نہ گیا تھا۔ کاغذ خلک ہو جانے کے بعد حمید نے اسی جگہ اپنے لگے ہوئے نوٹ کے نمبر لکھ دیئے۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ آنکھیں بند کر کے آرام کری پڑیت گیا۔ اس کا دماغ بالکل مخدود ہو کر رہ گیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اب کیا کرے، پتہ نہیں وہ لوگ فریدی کو پکڑ لے گئے یا انہوں نے ان کو قتل کر دا۔ فلت ہیٹ پر خون کے دھبے کوئی اچھا ٹکون نہیں۔ کبھی وہ سوچتا ممکن ہے کہ فریدی مصلحت غائب ہو گیا ہو۔ اس سے قبل بھی وہ کہی بار غائب ہو چکا تھا۔ مگر اس بار تو اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا تھا۔ آخر یہ لوگوں کے گھروں میں گھستے پھرنا کیا معمی رکھتا ہے۔ وہ کوئی چیز ہے جسے فریدی سینہ اگر وال کی تجویری سے ٹکال کر لایا تھا۔ یقیناً وہ چیز انتہائی حیرت انگیز ہو گی جس کی چوری پر اس کا مالک بھی من نہیں کھول سکتا۔ عجیب تم کا گور کھ دھندا تھا۔ آخر سینہ اگر وال نے پولیس کو دھوکے میں کیوں رکھا ہے۔ جبکہ حقیقتاً کوئی چیز اس کی تجویری سے چ ائی گئی ہے لیکن وہ پولیس کو بتاتا کیوں نہیں۔“

آفس کا وقت ہو گیا تھا۔ حمید نے کھانا کھا کر کپڑے بدے اور کاغذات جیب میں رکھ کر آفس جانے کے لئے باہر نکلا۔ فریدی کی بڑی کارکنی دن سے خراب تھی۔ اس لئے آج کل بس پر بیٹھ کر آفس جانا پڑتا تھا۔ وہ چورا ہے تک پیدل آیا اور انتظار کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد بس آئی اور وہ اس پر بیٹھ گیا۔ بس میں بھیز بہت زیادہ تھی اس لئے اسے کھڑے رہنا پڑا۔ آفس پہنچ کر وہ سیدھا چیف انسپکٹر کے کمرے میں گیا۔ وہ کچھ لکھ رہا تھا۔ حمید کو دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کر کے پھر لکھنے لگا۔

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا بات ہے۔“ چیف انسپکٹر کلم رکھ کر کری کی پشت سے ٹک لگاتے ہوئے بولا۔

”کیا عرض کروں!“ حمید نے کہا۔

”کیا تم اس سے پہلے سے واقع تھے کہ فریدی جلدیش کے کہنے پر اس کیس کی تفتیش کر رہا تھا۔“ چیف انسپکٹر نے کہا۔

”جی نہیں..... میرے خیال سے تو انہوں نے اسے ٹالنے کے کچھ یونہی سے جملے کہ دیئے تھے۔“

مگر جلدیش تو کہتا ہے کہ فریدی نے اسے موقع واردات پر آواز دی تھی۔

”ممکن ہے ایسا ہی ہوا ہو لیکن یہ بات میرے علم میں نہیں۔“

”اچھا وہ کاغذات لائے ہو۔“

”جی ہاں.....!“ حید نے جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ لیکن یک بیک اس کے چہرے پر مردی نیچھا آگئی۔ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ میکے بعد دیگرے وہ اپنی ساری جیبوں کی ٹلاشی لے رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر پسینے کی بودنیں ابھر آئیں۔

”کوئی کیا بات ہے۔“ چیف انپکٹر نے حیرت سے پوچھا۔

”مم..... مم..... معلوم..... ہوتا ہے گلے..... کسی نے جیب سے نکال لیا۔“

”کیا مطلب.....؟“

”جی ہاں! میں نے اسی جیب میں رکھے تھے۔“

”نکال کیا تم نے..... یہ جیب کبھی اس طرح کے کاموں میں استعمال ہوتی ہے۔ اس میں تو کوئی پچھہ بھی چیز نہایت آسانی سے نکال سکتا ہے۔“

”جی کیا بتاؤں..... مگر..... مگر.....!“

”اب مگر مگر کیا کر رہے ہو۔ جاؤ ٹلاش کرو.....!“ چیف انپکٹر تیز لجوہ میں بولا۔

حید بوکھلا کر کرے سے نکل آیا۔

وہ تیزی سے روڑ پر بس کے اگلے اٹیشن کی طرف جا رہا تھا۔ راہ میں اس نے ایک جیکسی کی اور بس کی ٹلاش میں روانہ ہو گیا۔ وہاں چھپ کر اس نے چورا ہے کے سپاہی سے اس بس کی تمام تفصیلات پوچھیں اور جیکسی پھر چل پڑی۔ تھوڑے دیر میں اس نے بس کو جالیا۔ بس قریب قریب خالی ہو چکی تھی صرف دو چار مسافر رہ گئے تھے۔ حید سیٹوں کے نیچے کاغذات ٹلاش کرنے لگا۔

”آپ کیا ڈھونڈ رہے ہیں۔“ بس کندیکٹر نے پوچھا۔

”بھئی میری جیب میں کچھ کاغذات تھے جو غالباً اسی بس میں نکل گئے۔“

”کیا کوئی لفاظ تھا۔“

”جی ہاں..... سرخ رنگ کا بڑا لفاف۔“

”یہ لمحے.....!“ بس کندیکٹر نے اپنے چڑے کے تھیلے سے ایک لفاظ ٹکالے ہوئے کہا۔ ”ایک صاحب نے مجھے دیا تھا۔“

حید نے سب سے پہلے کاغذات ٹکال کر دیکھے پھر یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ سب کاغذات موجود ہیں، اس نے بس کندیکٹر سے اس آدمی کے متعلق دریافت کیا جس نے اسے لفاف دیا تھا۔

”اس کی شکل صورت تو مجھے یاد نہیں البتہ اتنا کہہ سکتا ہوں کہ کسی اچھی سوسائٹی کا آدمی تھا۔“

”اس نے کیا کہہ کر یہ لفاظ آپ کو دیا تھا۔“

”یہی کہ شاید کسی کا گر گیا ہے، آپ اسے احتیاطاً اپنے پاس رکھئے!“ کندیکٹر نے کہا۔

خوفناک دھماکے

کاغذات لے کر آفس کی طرف لوٹتے ہوئے حید سوچ رہا تھا کہ وہ چیف انپکٹر سے کہے کہ وہ دراصل کاغذات گھر بھول آیا تھا۔ لیکن ایک نیا خیال اس کے ذہن میں آہستہ آہستہ شور کی طرف رینگنے لگا۔ نہیں وہ چیف انپکٹر کو ٹھیک ٹھیک بتا دے گا کہ اسے یہ کاغذات بس کندیکٹر سے ملے اسی طرح وہ دوسرا نوٹ لگانے اور نمبروں کے قفل اور دراج کے الزام سے نکلے گا۔ بہت ممکن ہے کہ کبھی یہ راز کھل عی جائے تو وہ نہایت آسانی سے کہہ سکے گا کہ کسی نے وہ کاغذات اسی لئے اس کی جیب سے نکالے تھے کرنوٹ بدلتا دیا جائے، اس نئے خیال پر اس کا ضمحلہ بہت کچھ دور ہو گیا۔

آفس پہنچ کر اس نے کانفرنس چیف انسپکٹر کے حوالہ کر دیئے اور خود اپنی میز پر آ بیٹھا۔
تمہوزی دیر بعد چیف انسپکٹر کے کمرے میں اس کی طلبی ہوئی۔

”کہو بھائی..... پھر تم نے اب کیا سوچا۔“ چیف انسپکٹر نے کہا۔

”کیا عرض کروں، میری تو عقل ہی جواب دے چکی ہے۔“

”بات ہی ایسی ہے۔“ چیف انسپکٹر نے کہا۔ ”میرے خیال سے تو چلو پہلے موقعہ واردات

تک ہو آئیں اس کے بعد سینئر اگر وال کے یہاں چلیں گے۔“

”بہتر ہے.....!“

چیف انسپکٹر نے جکلڈیش کو فون کیا اور اس کا انتظار کرنے لگا۔ پدرہ میں منٹ بعد جکلڈیش
بہنچ گیا اور پھر تینوں موقعہ واردات کی طرف روانہ ہو گئے۔

”جی ہاں، کار رکاوائیے..... بس یہی وہ مقام ہے۔“ جکلڈیش نے کہا۔

کار رکی اور تینوں جہاڑیوں کے قریب اتر پڑے، چیف انسپکٹر بہت غور سے زمین کے
ایک ایک حصہ کا جائزہ لے رہا تھا۔

”اڑے یہ جوتا کیسا.....!“ چیف انسپکٹر نے جہاڑیوں میں سے ایک جوتا نکالتے ہوئے
کہا۔ حمید چوک پڑا۔

”یہ بھی فریدی صاحب کا ہے۔“ حمید نے بے ساختہ کہا۔

”عجیب معاملہ ہے۔ اس پر بھی خون کے دھبے ہیں، خدا خیر کرے۔“ چیف انسپکٹر نے
پریشانی کے لہجہ میں کہا۔

”صاحب میرا خیال تو ہے کہ شاید وہ مصلحت عاشر ہو گئے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”جب وہ کوئی زیادہ خطرناک کام کرتے ہیں تو اسی طرح عاشر ہو جاتے ہیں، حد تو یہ
ہے کہ مجھے بھی اس کی اطلاع نہیں ہونے پاتی۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“ چیف انسپکٹر نے کہا۔ ”میں اسے اپنے بیٹوں کی طرح عزیز
رکھتا ہوں۔“

حید نے جو تے کو ایک اخبار کے گلے میں لپیٹ کر کار میں رکھ دیا۔

”میرے خیال سے تو یہاں کسی قسم کا سراغ ملنا مشکل ہی ہے۔“ حید نے کہا۔

”تو پھر اب کیا کیا جائے۔“ جنڈلش بولا۔

”سینہ اگر وال اور وہ دوسرے لوگ جس کے یہاں وارد ائیں ہو جگی جیں ان سے ملتا چاہئے۔“ چیف انپکٹر نے کہا۔

تینوں دن بھر ادھر ادھر مارے مارے پھرتے رہے لیکن کوئی خاص بات نہ معلوم ہو گی۔ سینہ اگر وال کی تجویری کامیابی نے خاص طور سے جائزہ لیا اس نے سینہ اگر وال سے بہت سارے سوالات کئے۔

”کیوں سینہ صاحب ڈاکوؤں کے فرار ہونے کے بعد آپ نے اپنی تجویری اچھی طرح دیکھی تھی نا۔“ حید نے پوچھا۔ ”تجویری آپ نے بند پائی تھی یا کھلی۔“

”کھلی.....!“

”لیکن کوئی چیز گئی نہیں تھی۔“

”جی نہیں۔“

”سخت حرمت کی بات ہے۔“ چیف نے کہا۔

”اچھا یہ بتائیے کیا ڈاکوؤں نے تجویری کی کنجی آپ سے حاصل کی تھی۔“

”جی نہیں۔“

”تااا توڑا تھا۔“

”یہ بھی نہیں۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے آپ کی تجویری کنجی سے کھو لی تھی۔“

”اب اس کے متعلق میں کیا کہہ سکتا ہوں۔“

”بہت ممکن ہے۔“ حید نے چیف انپکٹر سے مخاطب ہو کر کہا۔ ”ڈاکوؤں نے کوئی ایسی

چیز اُالی ہو جس کا انہمار خود سینہ صاحب کے لئے نقصان دہ ثابت ہو سکتا ہے۔“

اگر وال اس جملہ پر بوکھلا گیا۔ ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اس کے پھرے کی ساری رونق چھین لی ہو۔

”یہ آپ کس طرح کہہ سکتے ہیں۔“ سینھ اگر وال۔ خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”کیا شہر میں جتنی وارداتیں ہوئی ہیں سب اسی قسم دیں۔ شہر میں اور لوگ بھی تو ایسے ہیں جن کے پاس ڈاکو گھے، تجوریاں کھولیں اور جوں کی توں محلی چھوڑ کر چلے گئے۔ ان میں سے کسی نے بھی نہیں کہا کہ ان کے بیہاں سے کوئی چیز چوری ہو گئی ہے۔“

”یہ بات تو بالکل تمیک ہے۔“ چیف نے کہا۔

حمدی دل ہی دل میں فریدی کی ذہانت کی داد دینے لگا۔

”شام کو تقریباً ساڑھے چھ بجے وہ گھر واپس آیا۔ اندر چھلی پڑ کا تھا، اسے یہ دیکھ کر تو کروں پر سخت غصہ آیا کہ انہوں نے ابھی تک برآمدے کی بھلی نہیں جلائی تھی۔ وہ جھلاتا ہوا برآمدے میں داخل ہوا۔ پہلا ہنچ پیر اندر رکھا تھا کہ دھماکے کی آواز سنائی دی، حمید اچھل کر ایک طرف ہو گیا۔ دوسرا چھر زمین پر پڑا تھا کہ پیک وقت دو دھماکے سنائی دیئے۔ حمید پھر اچھلا..... پھر دھماکہ ہوا..... جیسے جیسے وہ برآمدے میں اچھلتا پھر رہا تھا دھماکوں کی رفتار پڑھتی جا رہی تھی۔ سارے نوکر بھاگ کر ادھر ہی چلے آئے تھے اور سب حرمت سے اسے اچھلتا ہوا دیکھ رہے تھے، ہر دھماکے کے ساتھ حمید کے پیروں سے چنگاریاں لٹکی معلوم ہوتی تھیں، آخر کار وہ بوکھلا کر برآمدے کے نیچے کو آیا۔ سارے نوکر اس کے گرد اکٹھے ہو گئے۔

”ابے گھو..... تم نے برآمدے کی بھلی کیوں نہیں جلائی۔“ وہ گرج کر بولا۔

”سرکار..... ابھی ابھی بیہاں روشنی کر کے گیا ہوں!“ ایک نوکرنے سمجھی ہوئی آواز میں بتایا۔

”اچھا چلو جا کر بھلی جلاو۔“ حمید نے کہا۔

وہ ذرتے ذرتے برآمدے میں گیا وہ سونچ کی طرف بڑھتی رہا تھا کہ اس کے پیروں کے نیچے دھماکہ ہوا اور وہ جیچ کر نیچے آیا۔

سارے نوکر گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے، حمید چخنا ہی رہ گیا لیکن کسی نے پلٹ کر دیکھا

بھی نہیں۔ حمید ایک لمحہ تک کھڑا سوچتا رہا پھر جب سے دیا سلامی نکال کر ایک تلی جلائی اور اس کی روشنی میں برآمدے میں داخل ہوا۔

”ارے.....!“ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا اور وہ اس طرح چلنے لگا جیسے کسی چیز کو بچا بچا کر قدم رکھ رہا ہو، سونچ بورڈ نزدیک ہی تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بجلی جلا دی، وہ حرمت سے برآمدے کے فرش کو گھوڑا رہا تھا۔ فرش پر بے شمار چھوٹی چھوٹی گولیاں بکھری ہوئی تھیں۔ حمید نے ایک گولی پر پیور رکھ دیا۔ پیور رکھتے ہی پھر دھماکہ ہوا۔ دھلتا ایک خیال سرعت سے اس کے ذہن کے گوشوں سے ٹکرایا، وہ دوڑتا ہوا اس کمرے کی طرف جا رہا تھا جہاں تجوہی رکھی ہوئی تھی۔ کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا، اس کا دل دھڑ کنے لگا۔ کمرے میں اندر ہمرا تھا۔ اس نے دیا سلامی جلائی، تجوہی کھلی ہوئی نظر آئی۔ دیا سلامی پھینک کر اس نے جلدی سے بجلی جلائی اور تجوہی پر جھک پڑا۔ اس کی دانست میں جتنی چیزیں پہلے تھیں اتنی ہی اب بھی موجود تھیں۔ وہ پریشانی میں اپنا ماتھا رگڑنے لگا۔ دھلتا اسے نوٹوں کے بندل پر ایک کاغذ رکھا ہوا نظر آیا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا کہ جب صحیح اس نے سرکاری کاغذات والا نوٹ بدلتے کے لئے تجوہی کھولی تھی اس وقت وہ کاغذ وہاں موجود نہیں تھا۔ اس نے کاغذ اٹھایا اس پر انگریزی میں ٹائپ کی ہوئی تحریر تھی۔

”جاسوس کے بچے“

تیرے استاد نے مجھے بہت پریشان کیا ہے۔ اس وقت وہ میری قید میں ہے۔ جو چیز وہ سینہ اگر وال کے یہاں سے اڑا کر لا یا تھامیں لئے جا رہا ہوں۔ اگر تم اپنے خربت چاہتے ہو تو مجھے تلاش کرنے کی کوشش مت کرنا۔

”میرے بچھے لگنے کی سزا موت ہے۔“

حمید نے اس کا گذ کو احتیاط سے ایک طرف رکھ دیا اور تجوہی کا ڈھکن بند کر کے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ ابھی وہ برآمدے ہی میں تھا کہ سڑک پر ایک کار اسٹارٹ ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ بھاگ کر بچا نکل پڑا آیا، کار مغرب کی طرف تیزی سے چلی جا رہی تھی۔ حمید نے جنگل بلاہٹ میں اپنے ہاتھ میں کاٹ لیا۔ فریدی کی کار بھی بگڑی پڑی تھی، چھوٹی کار

ٹکانے کی ہمت نہ پڑی کیونکہ اس پر ابھی تک ہر ایسی رنگ چڑھا ہوا تھا۔ آخ بوكھلاہٹ میں اس نے اسی طرف دوڑنا شروع کر دیا جدھروہ کارگئی تھی۔ خوش قسمتی سے تھوڑی ہی دور پر ایک خالی ٹیکسی کھڑی ہوئی مل گئی۔ حمید دروازہ کھول کر اس میں بیٹھ گیا۔

”کہاں چلے گا.....؟“ ڈرائیور نے کہا۔

”اوھر کوئی چاکلیٹی رنگ کی کارگئی ہے۔“

”جی ہاں ابھی ابھی گذری ہے۔“

”اس کا پیچھا کرو۔“

ڈرائیور نے متنی خیز انداز میں سر ہلا کر ٹیکسی اسٹارٹ کر دی۔

تھوڑی دیر چلنے کے بعد ایک چاکلیٹی رنگ کی کار دکھائی دی۔ اس کی رفتار بتدرع کم ہوتی جا رہی تھی۔ حمید نے بھی ٹیکسی کی رفتار فاصلہ کی مناسبت سے کم کر دی۔ کار اچاک ایک گلی میں گھوم گئی۔ حمید کی ٹیکسی جیسے ہی گلی کے سامنے پہنچی اس نے چاکلیٹی رنگ کی کار سے ایک عجیب الحلقہ آدمی کو اترتے دیکھا۔ حمید نے آگے بڑھ کر ٹیکسی کو روکایا اور کرایہ دے کر اتر پڑا۔ گلی میں میوپلی کی ڈال کی دھنڈلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ کار ابھی تک وہیں کھڑی تھی اور اس میں سے اترنے والا آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا آگے کی طرف جا رہا تھا۔ حمید پچھتا چھپا ہا اس کا تعاقب کر رہا تھا اور ابھی مشکل سے سات بجے ہوں گے لیکن گلی بالکل سنان تھی۔ کار سے اترنے والا پہلی ٹیکسیوں سے گذرتا ہوانہ جانے کہاں جا رہا تھا۔ پھر دوسری شاہراہ پر آگیا، یہاں بھلی کے قلعوں کی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ اب حمید نے غور سے دیکھا، اتنی خوفناک شکل آج تک اس کی نظروں سے نہ گذری تھی۔

بھیانک چہرہ

اے ایسا محسوں ہوا جیسے اس کے سارے جسم میں سنساہٹ دوڑ گئی ہو۔ نہ جانے کیوں اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ واپس لوٹ جائے۔ ابھی وہ اسی تذبذب میں پڑا ہوا تھا کہ خوفناک

آدمی ایک ہوٹل میں سکھس گیا۔ حمید شش وچھ میں پڑ گیا کہ وہ اندر جائے یا نہ جائے۔ پھر دھننا اسے اپنی اس کمزوری پر غصہ آنے لگا۔ یہ کیا حماقت ہے۔ آخر خوف کی کیا وجہ ہے اور پھر اس کا پیشہ ہی ایسا ہے کہ کسی وقت بھی جان خطرے میں پڑ سکتی ہے۔ حمید بھی ہوٹل میں داخل ہو گیا۔ شراب اور تباہ کو کے دھوئیں کی لمبی بولی بوسارے کر رے میں پچھلی ہوئی تھی۔ یہاں زیادہ تر متوسط طبق کے ادباش لوگوں کا مجمع نظر آیا کرتا تھا شہر کے بنام ہوٹلوں میں سے یہ بھی ایک تھا۔ یہاں آئے دن نت نئی وار داتیں ہوا کرتی تھیں۔ لیکن ایسا معلوم ہے۔ تھے پلیس نے اس کی طرف سے آنکھیں بند کر لی ہیں۔

بات دراصل یہ تھی کہ اس کا مالک سنتو ش ایک ہے اور آدمی تھا۔ آئے دن بڑے بڑے افسروں کی دھوئیں کیا کرتا تھا۔ اوپنی سوسائٹی میں اسے کافی مقبولیت حاصل تھی۔ حمید ہوٹل کے اندر چلا تو گیا لیکن اسے یہ سوچ کر الجھن ہونے لگی کہ وہ یہاں گرے گا کیا۔ کیونکہ یہاں آنے والے زیادہ تر شرابی تھے۔ کوئی شریف آدمی مشکل ہی سے ادھر کارخ کرتا تھا۔

حمدی شراب نہیں پیتا تھا۔ لیکن اب تو آئی گیا تھا اور اسے کچھ تکھ تو کرنا ہی تھا۔ وہ ایک خالی بیز پر جا بیٹھا۔ بھیاں کچھ چھرے والا آدمی تھیں اس کے سامنے بیٹھے ہوا تھا۔ ایک بار اس کی اور حمید کی نظریں مل گئیں۔ حمید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے جسم سے بر قی تار مس کر دیا ہو۔ اس کا چہرہ انتہائی خوفناک تھا۔ موٹی سی ناک درمیان میں دھھوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ تنہ کافی چوڑے تھے جن کے گرد کھنی مونچیں بہت زیادہ ڈراوٹی معلوم ہوتی تھیں۔ مونچیں اتنی کھنی تھیں کہ دہانہ صاف نہیں دکھائی دیتا تھا۔ سر پر بڑے بڑے گھنکریاں بال تھے، گھنے ابرؤں کے نیچے انگاروں کی طرح دیکھتی ہوئی آنکھیں کسی تاریک قبرستان میں جلتے ہوئے چڑخوں سے کم خوفناک نہ تھیں۔ سانس لیتے وقت اس کے تنہے پھولتے پکلتے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ رخادروں پر کمی گہرے زخموں کے نشانات تھے۔ اس نے بیرے کو آواز دے کر شراب منگوانی اور پوری بولی اتی جلدی ختم کر دی جیسے اس نے شراب کی بجائے پانی پیا ہو۔ اس نے شراب اتنے بھوٹے پن کے ساتھ پی تھی کہ ابھی تک اس کی مخوزی سے قطرے نہیں

رہے تھے۔ اس نے انتہائی لاپرواںی کے ساتھ ہاتھ سے منہ پوچھا اور کرسی سے نیک گا کر اپنا بھعدا ساپاپ سلکا نے لگا۔ حمید سوچ رہا تھا۔

..... تو یہی حضرت تھے جنہوں نے فریدی کی تجویری کھوئی تھی۔ انتہائی چالاک آدمی معلوم ہوتا ہے۔ اس نے برآمدے میں اس لئے پٹانے ڈال دیے تھے کہ آنے والوں کی آہٹل سکے۔ بلا کام کار معلوم ہوتا ہے۔ اب حمید اسی فکر میں تھا کہ اس سے وہ چیز کس طرح حاصل کی جائے جو اس نے فریدی کی تجویری سے نکال لی تھی۔ لیکن صبح تو اسے تجویری میں کوئی چیز نہیں دکھائی دی تھی۔ پھر آخر اس نے اس میں سے کیا نکالا۔

دنھا حمید چونک پڑا۔ ایک بیرون ہمایت خاموشی سے اس کی میز کے قریب آگیا تھا۔ ”بیسر اور منشن چاپ۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔ بیسا اسے کوئی اندازی پینے والا سمجھ کر مسکراتا ہوا چلا گیا۔

چند لمحوں کے بعد وہ ایک کششی میں گولڈن ایگل کی ایک بوٹل اور کچھ منشن چاپ لے کر واپس آیا۔ ”صاحب اگر کاک ٹیل پینیں تو لااؤں، ٹماڑی کی ہے، اور ابھی تیار ہوئی ہے۔“ بیسے نے میز پر کششی رکھتے ہوئے آہستہ سے کہا۔

”نہیں.....!“ حمید نے کہا اور بوٹل انھا کر دیکھنے لگا۔ بیسے نے بوٹل اس کے ہاتھ سے لے کر کاک نکالی اور میز پر رکھ کر گلاس آگے سر کا دیا۔

”کچھ اور صاحب.....!“ اس نے جھک کر مودود بانہ کہا۔

”نہیں.....!“ حمید نے کہا اور گلاس میں بیسر اٹھیلنے لگا۔ اس کا ہاتھ کانپ رہا تھا۔ اس نیک لمحوں سے اس خوفناک آدمی کی طرف دیکھا جو آنکھیں بند کئے کری پر نہم دراز تھا، حمید اپنا گلاس بھر کر اس میں ناپتھے ہوئے بلیلوں کو بغور دیکھنے لگا۔ وہ آہستہ آہستہ منشن چاپ کھانے لگا۔ گلاس جوں کا توں بھرا ہوا رکھا تھا۔ پینے کی ہمت نہیں پڑ رہی تھی۔

تحوڑی دری بحد بیسا پھر ادھر سے گزرا۔

”اے بیسا..... ٹل لااؤ۔“ حمید نے اسے روک کر کہا۔

”کیوں صاحب کیا قصور ہوا۔“

”نبیں بھائی..... اس میں قصور کی کیا بات ہے۔“

”ابھی تو آپ کی سب چیزیں رکھی ہوئی ہیں۔“

”تمہیں اس سے کیا۔“

”بہت بہتر حضور۔“

بیرا عمل لے کر واپس آیا۔ حمید نے پلیٹ میں کچھ نوث رکھ دیئے۔ پیر اسلام کر کے چلا گیا۔ حمید نے سگریٹ سلاکائی اور کرسی کی پشت سے یک لگا کر منہ سے دھوکیں کے دائرے نکالنے کی کوشش کرنے لگا۔

بھیاں کچ پھرے والا یک یک چونک کر کاؤنٹر کی طرف دیکھنے لگا جہاں ایک خوش پوش آدمی کھڑا باریٹن سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ بھی انٹھ کر اس کی طرف چلا گیا۔ خوش پوش آدمی کے قریب کھڑے ہو کر اس نے گرجدار آواز میں کہا۔ ”مل.....!“

باریٹن نے ایک بیرے کو آواز دی۔

”صاحب کا لکناہو۔“ اس نے بیرے سے پوچھا۔

”سائز ہے بارہ.....!“ بیرے نے کہا۔

خوفناک چہرے والا دس دس کے دونوں کاؤنٹر پر رکھ کر واپس ہونے کے لئے مڑا۔

”صاحب بقیر روپے تو لیتے جائے۔“ باریٹن بولا۔

”باقی تمہارا بخشش.....!“ خوفناک چہرے والے نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

ابھی وہ ہوٹل کے باہر قدم نہ نکالنے پایا تھا کہ ایک قوی ہیکل آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ خوفناک چہرے والے نے اسے اس طرح گھورا جیسے کچا کھا جائے گا۔ قوی ہیکل آدمی سکریا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر لاڈونخ کی طرف جانے لگا۔ بھیاں کچ پھرے والا نہیات سکون اور اطمینان کے ساتھ جا رہا تھا۔ حمید بھی انٹھ کر ان کے پیچے چلا جب انہیں اندر داخل ہوئے پاچ منٹ گذر گئے تو وہ بھی لا کھڑا تھا اور تھکلیاں لیتا ہوا لاڈونخ میں داخل ہو گیا۔ وہ دونوں آمنے سامنے بیٹھے

ایک دوسرے کو گھور رہے تھے۔ حید نے ایک بھونڈا سا گانا گانا شروع کر دیا۔ قوی یہ کل آدمی نے آ کر اس کی گردان دبوچ لی۔

”کیوں ہلاڑ جاتا ہے۔“ اس نے کہا۔

”ہم گانا گاتی ہے بھائی، ہم تم کو بھی سنائے گی۔“ حید نے پچھلی لی اور شرابی کا پارٹ ادا کرنا شروع کیا۔

”معلوم ہوتا ہے بہت چڑھنی ہے۔“ اس نے کہا۔

”کہاں چڑھنی ہے۔“ حید نے نیچے سے اوپر تک اپنا جسم ٹوٹتے ہوئے کہا۔

”واہ پینٹا.....!“ قوی یہ کل آدمی بے اختیار نفس پر اور حید بے سدھ ہو کر ایک صوفے

پر گر گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ بالکل بے ہوش ہو گیا ہو۔ لیکن پچکیاں بدستور جاری تھیں۔

قوی یہ کل آدمی پھر بھی ایک چہرے والے کے پاس جا بیٹھا۔

”تم نے اس کامنی بیک اڑایا تو بہت صفائی سے مگر استادوں کی نظروں سے کہاں چھپ سکتے ہو۔“ اس نے کہا۔

”اچھا جی.....!“ بھی ایک چہرے والا بولا۔

”آدمی تاؤ باز معلوم ہوتے ہو۔“

”تو پھر.....!“

”نکالو..... آدھے آدھے کی رعنی۔“ قوی یہ کل آدمی نے کہا۔

بھی ایک چہرے والا بہنے لگا۔

”تو نہ جانے کسی بات کر رہا ہے، ٹلاشی لے لے مرے یار، مجھے دھوکا ہوا ہے۔“ بھی ایک چہرے والے نے کہا۔

دوسرے آدمی نے اچھی طرح اس کی جامہ ٹلاشی لی۔ وہ کھڑا اسکراتا رہا۔

”جی مجھے دھوکا ہوا۔“ اس نے پینچھے کر شرمدگی کے لہجہ میں کہا۔

”اچھا اب دیکھ..... یہ رہا منی بیک۔!“ بھی ایک چہرے والے نہ جانے کہاں سے

منی بیگ نکال کر اس کے چہرے کے سامنے نچاتے ہوئے کہا۔

اچانک قوی یہکل آدمی نے پستول نکال لیا۔

"خبردار..... منی بیگ میرے حوالے کر دو۔ میں جاسوس ہوں۔"

"ابے جا، تیرے جیسے بہت سے جاسوس دیکھے ہیں، ابھی ابھی ایک جاسوس کے پڑھے کو الوبا کر آ رہا ہوں۔ ابے پہلے اپنی صورت تو دیکھ۔" بھیاںک چہرے والے نے اس کا پستول والا ہاتھ پکڑ کر اس کی کنٹی پر اس زور کا گھونسہ رسید کیا کہ پستول اس کے ہاتھ میں آ گیا اور قوی یہکل آدمی ایک سنجک کی طرح اچھل کر دور جا گرا۔ بھیاںک چہرے والے نے قبھہ لگایا، پھر وہ آہستہ آہستہ اسکی طرف بڑھا۔ قوی یہکل آدمی ابھی تک چاروں شانے چت فرش پر پڑا ہوا تھا۔

"اٹھ میرے لال!" بھیاںک چہرے والہ چکارتا ہوا بولا۔ "پہل بجھے دو دھ پلا لاوں۔"

قوی یہکل آدمی بھیکلی می کی طرح چپ چاپ اٹھ بیٹھا۔

"میں نے ابھی تک یہ بھی نہیں دیکھا کہ اس میں ہے کتنا۔" بھیاںک چہرے والے نے منی بیگ کھولتے ہوئے کہا۔ "چہ چہ..... صرف دوسرو پے..... کوئی غریب آدمی معلوم ہوتا ہے۔ بیچارے کا منی بیگ پھر اس کی جیب میں رکھ دینا چاہئے۔"

"کیوں..... واپس کیوں کرو گے۔" قوی یہکل آدمی بولا۔

"ابے میں کوئی معمولی چور اچکایا گرہ کٹ نہیں ہوں۔ اتنی چھوٹی چھوٹی رقمیں تو میں حل کے لوٹھوں کو بات دیتا ہوں۔"

"یار تم تو بڑے کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ چلو تمہیں اپنے استاد سے ملاوں۔"

"وہ بھی تیری عی طرح لوٹا ہو گا۔"

"ہے تو لوٹا عی، پر بڑا بھیاںک ہے۔"

"ابے جا، کچھ تو ہے کچھ تیر استاد ہو گا۔ اچھا چل۔..... اب اس کا روپیہ اس کی جیب میں

ڈال دیں، ورنہ بیچارا مفت میں پریشان ہو گا۔"

"واقعی تم عجیب آدمی ہو۔"

"اچھا اب باتیں مت بناو۔" اس نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ وہ حید کے قریب رک گیا اور اسے ایک مخوکر مارتے ہوئے بولا۔ "دیکھ لیا میر انوشہ، جیونٹی کی طرح مسل کر رکھ دوں گا۔" کہہ کر وہ لاڈنچ کے باہر چلا گیا۔ قوی ہیکل آدمی بھی اس کے ساتھ تھا۔

تینیہہ

حید تھوڑی دیر تک اسی طرح بے سدھ پڑا رہا۔ اس کا دل بڑی شدت سے ڈھڑک رہا تھا۔ اس نے ایک اچھی خاصی حماقات کی تھی۔ تجویری میں اس نے جو تحریر پائی تھی اس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ تجویری کھولنے والا اسے اچھی طرح جانتا ہے۔ اسی صورت میں اسے بغیر بھیس بد لے اس کے سامنے ہرگز نہ آنا چاہئے تھا۔

ایسی غیر معمولی قوت رکھنے والا آدمی آج تک اس کی نظریوں سے نہ گذر رہا تھا۔ اس کا گھونسر تھا یا بھلی کے کرنٹ کا دھپکا۔ جس نے اتنے سیم شیم آدمی کو اتنی دور اچھال دیا تھا۔ خود اس کی پنڈلی میں جہاں اس نے مخوکر ماری تھی اس طرح کا درد ہورہا تھا جیسے بڑی ٹوٹ گئی ہو۔ اس نے کئی بار اٹھنا چاہا لیکن ہمت نہ پڑی۔ خوف محسوس ہو رہا تھا کہ کہیں پھر اس سے نہ بھیزنا ہو جائے۔ آج سے قبل اس کے دل میں کبھی اتنی بزدلی کے خیالات نہ پیدا ہوئے تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کے بعد وہ ہمت کر کے اٹھا، آہستہ آہستہ شرابیوں کی طرح لڑکڑا تاہوا باہر نکلا۔ پنڈلی کی چوٹ لٹگڑانے پر مجبور کر رہی تھی۔ بہر حال اس وقت حید کی حالت کسی پھوہڑ پر نہ کٹتا۔ پنڈلی کی ہور رہی تھی۔ وہ دونوں وہاں نہیں تھے۔ حید سڑک پر آگیا اور ٹیکسی کر کے گھر قائم کے شرابی کی سی ہو رہی تھی۔ اسی میں سے کیا چیز غالب ہوئی۔

خلاص پیدا کئے ہوئے تھی اور وہ یہ کہ آخر تجویری میں سے کیا چیز غالب ہوئی۔

ایک پتلی سی دراز نظر آئی۔ وہیں قریب ایک کیل ابھری ہوئی تھی جس کا وہاں پر موجود ہونا بظاہر کوئی ممکن نہ رکھتا تھا۔ حمید اس پر ہلکی ہلکی انگلی پھیرنے لگا۔ بے خیالی میں شاکر اس کیل پر دباؤ پڑ گیا۔ فتحا ایک لکھنا ہوا اور وہ دراز پھیلنے لگی۔ یہ ایک پوشیدہ خانہ تھا۔ حمید نے اس میں ہاتھ ڈال دیا، وہ خالی تھا۔ حمید سوچنے لگا۔ ضرور اسی خانہ سے وہ کوئی چیز لے گیا ہے۔ فریدی نے آج تک اسے اس خانہ کے متعلق نہ بتایا تھا۔ حالانکہ تجویری کی چالی عوماً اسی کے پاس رہا کرتی تھی۔ حمید نے تجویری بند کر دی۔ اس کے بعد کبرے کو مغلول کر کے کھانے کے کمرے میں آیا۔ فریدی کے اچاک عائب ہو جانے کی وجہ سے سارے ملازم پر بیشان نظر آ رہے تھے۔ کمر پر ایک عجیب ساماگری سناتا چھایا ہوا تھا۔ کبھی کبھی کتوں کے بھونکنے کی آوازیں کپکاوڑ میں کونخ اٹھتی تھیں۔

حمد کھانا کھانے جائی رہا تھا کہ شہناز آگئی۔

”کہنے حمید صاحب، خیریت تو ہے۔ یہ فریدی بھائی کا کیا معاملہ ہے۔ مجھے ابھی ابھی معلوم ہوا ہے۔“ شہناز نے پوچھا۔

”معاملہ اتنا مختصر نہیں کہ چند جملوں میں بتا سکوں۔ بخوبی کھانا کھاؤ..... سب کچھ بتاتا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”کھانا کھا کر آئی ہوں۔“ شہناز نے کہا۔

”تمہوڑا اور سکی۔“

”نہیں.....!“

”تمہاری خوشی۔“

”آپ تو ذرا ذرا سی بات پر منہ مکھلا لیتے ہیں۔“ شہناز تک کربوں۔

”تم غلط سمجھیں..... میں ذرا بڑے تو والے کھانے کا عادی ہوں اسلئے منہ کا پھولنا چیزی ہے۔“

”تو آخر آپ اس طرح منہ بگاڑ کر کیوں باتیں کر رہے ہیں۔“

”کیا آج لڑنے کا ارادہ کر کے آئی ہو۔“

”لیجے صاحب چلی جاتی ہوں۔“ شہناز اٹھتے ہوئے بولی۔

”ارے..... نہیں بھائی۔“ حمید نے اٹھ کر اس کا بازو پکڑ لیا۔

”نہیں میں عرصہ سے دیکھ رہی ہوں کہ آپ کو میری صورت دیکھ کر کچھ جھنگھلا ہست سی
محسوں ہوتی ہے۔“

”تو میں نے کیا کہہ دیا یا با.....!“ حمید اپنی پیشانی پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔

”کچھ نہیں..... آپ تو بڑے بھولے ہیں۔“

”نہیں..... میں الو کا پٹھا ہوں۔“

”کیوں اپنے منہ میاں مٹھو بن رہے ہو۔“ شہناز بے اختیار ہستے ہوئے بولی۔

”خیر تمہیں نہیں تو آئی۔“ حمید نے کہا۔

”کھانا کھا چکنے کے بعد حمید نے پوری داستان کہہ سنائی۔ لیکن اپنے اور فریدی کے ذاکر
ذالنے کے واقعات نہیں بتائے۔“

”میں کیا بتاؤں..... میں نے آج تک اتنا بھی انک چہرہ نہیں دیکھا۔“ حمید بولا۔

”کہیں وہ فریدی صاحب ہی نہ ہوں۔ کیا آپ کرٹل پر کاش والا واقعہ بھول گئے۔“

شہناز نے کہا۔

”خیال تو مجھے بھی آیا تھا، لیکن یہ ناممکن ہے۔ فریدی صاحب بھیں ضرور بدلتے ہیں
لیکن وہ اتنی طاقت کہاں سے لا ائیں گے۔ سوچ کر حیرت ہوتی ہے بھی اس کا م مقابل گھونسہ
پڑتے ہی اس بُری طرح اچھا تھا جیسے رہبر کی گیند۔“

”واقعی تجھب کی بات ہے۔“

”اور تو اور یہ دیکھو.....!“ حمید نے اپنی چلنون کا ایک پانچھا سمنیتے ہوئے کہا۔ ”ظالم نے

ایک ٹھوکر مجھے بھی رسید کی تھی۔ یہ دیکھو پنڈلی میں ورم آ گیا ہے۔“

”بھی خدا کے لئے آپ اس کے پچھے مت لگئے۔“

”جو کچھ ہوا میری حماقت سے ہوا۔ جب میں یہ جانتا تھا کہ وہ مجھے پچھانتا ہے تو مجھے بغیر

بھیں بد لے اس کے پیچے جانا ہی نہیں چاہئے تھا۔“

”تو اس کا یہ مطلب ہے کہ آپ اس کا چیچھا نہیں چھوڑیں گے۔“

”ارادہ تو یہی ہے۔“ حمید نے ہکا۔

”آخر کیوں.....؟“

”اس لئے کہ فریدی صاحب کو اسی نے غائب کیا ہے۔“

”بھی میرا دل تو کہتا ہے کہ وہ فریدی صاحب ہیں۔“ شہناز بولی۔

”یہ بھی ناممکن ہے.....!“ حمید نے کہا۔ ”مجھ سے زیادہ فریدی صاحب کو کون جانتا ہے۔ وہ اتنے طاقت ور ہرگز نہیں۔“

”اچھا خیر چھوڑ یے ان باتوں کو..... آپ کے اوپر تو ہر وقت سراغ رسانی کا بھوت سوار رہتا ہے۔“ شہناز بولی۔

”اچھا تو آؤ بیمار کی باتیں کریں۔“ حمید نے کہا۔

”اچھا بس بس رہنے دیجئے۔“ شہناز نے کھیانی بھی کیا تھا کہا۔ ”میں نے یہ کب کہا تھا۔“

”تم کہو یا نہ کہو، ہر عورت مرد سے ہر وقت صرف اپنے متعلق کچھ سننا چاہتی ہے۔“ حمید نے کہا۔

”آخراً آپ اتنے قلقی کیوں ہو گئے ہیں۔“ شہناز بولی۔

”فریدی کی صحبت نے مجھے نہ جانے کیا کیا بنا دیا ہے۔“

”اچھا چھوڑ یے ان باتوں کو۔“ شہناز بولی۔ ”آخراً فریدی صاحب شادی کیوں نہیں کرتے۔“

”انہیں عورت سے زیادہ اپنا فن عزیز ہے۔ یہ کچھ فریدی ہی پر منحصر نہیں، ہر فکار شادی۔“

سے گھبراتا ہے۔ وہ عورتوں سے دوستی تو کر سکتا ہے لیکن مستقل طور پر کسی عورت کا پابند ہونا پسند نہیں کرتا۔“

”آخراً اس کی وجہ.....!“ شہناز بولی۔

”بھی آئٹے دال کا چکر..... اور کیا۔“ حمید نے زنانہ لہجہ میں کہنا شروع کیا۔ ”آج

ساری نہیں ہے۔ کل باداً ذکم ہو گئے۔ یہ اپنے اچھی نہیں۔ میں تو کئی کیوڑا پاؤ ذرا استعمال کروں گی، تھے میاں کے جوتے پھٹ گئے۔ منے میاں کو زکام ہو گیا۔ منی کو چیخیں آرہی ہیں۔“
شہناز ہنسنے لگی۔

” غالباً آپ کو بھی اپنا فن بہت زیادہ عزیز ہو گا۔“ شہناز بولی۔

” مجھے..... نہیں تو، میں اس حکمہ میں فن کے لئے جوک نہیں مار رہا ہوں۔ اس حکم کی مقامیں فریدی جیسے لوگ ہی کرتے ہیں۔“

” پھر آخر آپ کس لئے اس حکمہ میں آئے ہیں۔“

”عورت کے لئے.....!“ حید نے کہا۔

” کیا مطلب۔“ شہناز تیز لہجہ میں بولی۔

” کوئی خاص مطلب نہیں۔ کسی بیکار آدمی کو تو کوئی اپنی بیٹی دیتا نہیں۔“

” اوہ.....!“

” اور تم کیا کبھی تھیں۔“

” کچھ نہیں۔“

” خیر..... بہر حال..... ہاں تو پھر میں اپنی شادی کب کر رہا ہوں۔“

” میں کیا جانوں۔“

” ارے تو کیا تم میرے ساتھ شادی نہ کرو گی۔“

” دیکھنے فضول باتمیں نہ کیا کیجئے۔ اگر میرا بیٹھنا ناگوار ہو تو صاف صاف کہہ دیجئے۔“

” اچھا ہی..... یہ باتمیں فضول کب سے ہو گئیں۔“

” جب سے آپ نے اپنارو یہ بدل دیا۔“

” کیا تمہیں کوئی میرے خلاف بہکایا کرتا ہے۔“

” ہاں.....!“

” کون ہے وہ الوکا پٹھا۔“

”میرا دل۔“

”جب تو وہ آدمی کا پٹھا ہے.....!“ حمید نے جلدی سے کہا۔ ”آخر کوں۔“

”اس لئے کہ آپ مجھ سے کافی سمجھنے کچھ رہتے ہیں۔“

حید کچھ کہنے تی والا تھا کہ ایک توکرہاتھ میں ایک لفاذ لئے ہوئے کمرے میں داخل ہوا۔

”ابھی ابھی ایک آدمی دے گیا ہے۔“ توکرنے لفاذ حمید کو دیتے ہوئے کہا۔

لفاذ پر اس کا نام لکھا ہوا تھا۔ حمید نے خط جو انگریزی میں تاپ کیا ہوا تعالیٰ لفاذ سے

ٹکال کر پڑھنا شروع کیا۔

”میں دوسرا مرتبہ تمہیں متلبہ کر رہا ہوں کہ میرے چیخھے مت لگو، ورنہ انعام کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔ تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ میرے خلاف تمہارے پاس کسی قسم کا کوئی ثبوت نہیں۔ تمہارے استاد بیٹھیریت ہیں، میرا جو مقصد تحاصل ہو گیا۔ مجھے تم سے یا ان سے کوئی دشمنی نہیں۔ میں انہیں جلد چھوڑ دوں گا۔ انہیں میرے خلاف کوئی شکایت نہیں۔ اگر میں انہیں اس وقت غائب نہ کر دیتا تو وہ حضرت قتل کر دیجے جاتے۔ تم دونوں کے کرتوت سے میں اچھی طرح واقف ہوں۔ تمہارے استاد کا قائل وہی تھا جس نے سینہ اگر وال پر گولی چلائی تھی۔ وہ آج بھی فریدی کی طلاش میں ہے۔ اگر تم میں تھوڑی سی بھی عصی ہو تو اب میرا پیچھا مات کرنا۔ میں اتنا گھامز نہیں ہوں اس سے زیادہ مجھے اب کچھ نہیں کہتا۔“

حمد نے خط پڑھ کر شہزاد کی طرف بڑھا دیا۔ خط پڑھتے ہی شہزاد کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار پیدا ہو گئے۔

”تو پھر اب آپ کا کیا ارادہ ہے۔“ شہزاد بولی۔

”اڑے ایسے ایسے بہت دیکھے ہیں۔ شیر طاقت سے مارتا ہے اور گیڑہ مکاری سے۔ ایسا پھساوں پیٹا کو کہ عمر بھر یاد کریں۔“

”تو آپ اس کا پیچھا کریں گے۔“

”یقیناً.....!“

”اور میرا کہنا بھی نہ مانیں گے۔“

”بس اسی لئے تو فریدی صاحب شادی نہیں کرتے۔ عورت مرد کی سب سے بڑی کمزوری ہے۔“

”خیر..... جو آپ کا دل چاہے کہئے۔“ شہناز نے سنجیدہ ہو کر کہا۔ ”اگر آپ نے میرا کہنا نہ مانا تو اچھاتا ہو گا۔“

”معلوم ہوتا ہے کہ تم بھی اس سے ملی ہوئی ہو۔“

”دیکھنے مقام میں مت ٹالئے۔“ شہناز نے کہا۔ ”اب مجھے بھی زبردستی کرنی پڑے گی۔“

”وہ زبردستی کس قسم کی ہوگی۔“ حمید نے سکرا کر کہا۔

”وہ بھی دیکھے لجھے گا۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نہیں چاہتیں کہ میری جان خطرے میں پڑے۔“ شہناز نے سر ہلا دیا۔

”آخ رکیوں.....؟“

”بس یونہی.....!“

”کوئی وجہ.....!“

”نہیں بتاتی وجہ۔“

”تو ہم بھی نہیں بازا آتے۔“

”اگر نہیں بازا آتے تو میں زہر کھالوں گی۔“

”تو کیا واقعی تم مجھے اتنا چاہتی ہو۔“

”یہ میں نے کب کہا ہے۔“

”خیر تم اپنی زبان سے بکھری نہ کہو گی۔“

شہناز کے ہذنوں پر شرات آمیز سکراہٹ رقص کرنے لگی۔

”اوہ..... گیارہ بج گئے۔“ شہناز نے گھری کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اب چلتا چاہئے۔

”وہ تو میک ہے، مگر کیا پیدل جاؤ گی۔ اب اس وقت شاکن قریب کوئی سواری بھی نہ مل سکے۔ فریدی صاحب کی کار بگلی پڑی ہے۔ کل اسے درکشاپ بھجوادوں گا۔“

”تو کیا ہوا.....!“ شہناز نے کہا۔ ”شہلتی ہوئی چلی جاؤں گی۔“

”میں اسے نمیک نہیں سمجھتا۔ چلو میں بھی تمہارے ساتھ چلا ہوں۔“

”تسلی اور پوچھ پوچھ!“ شہناز نے انشخت ہوئے کہا۔ ”تو کیا اسی طرح چلنے گا۔ جی نہیں لشکر پہن لجھنے بہت سردی ہے۔“

”اچھا بھائی۔“

دونوں آہستہ آہستہ بیلی روڈ کی طرف چل دیئے۔ سڑک پر بالکل سنٹا تھا۔ حموڑی عی دور چلے ہوں گے کہ جیچے سے ایک ٹیکسی آگئی۔ حمید نے آواز دے کر اسے روکا دیا۔

”واقعی تم بڑی خوش قسمت ہو کر اس وقت ٹیکسی مل گئی۔“

”بیلی روڈ!“ شہناز نے ٹیکسی میں بیٹھنے ہوئے کہا اور پھر کھڑکی سے سر نکال کر بولی۔

”دیکھئے جو کچھ میں نے کہا اس کے خلاف نہ ہونے پائے۔“

”اچھا.....!“ حمید نے کہا۔ ”شب بخیر۔“

”شب بخیر۔“

ٹیکسی چل پڑی۔ بیلی روڈ پر پہنچ کر ڈرائیور نے پوچھا ”کدھر.....!“

”پندرہ سو تیس.....!“ شہناز نے بتایا۔

ٹیکسی شہناز کے مکان کے سامنے رک گئی۔ ڈرائیور نے اتر کر دروازہ کھولا اور شہناز ٹیکسی سے باہر آئی۔

”یہ لو.....!“ شہناز نے پس سے اپنے نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا۔

”میں کرایہ نہیں لیتا۔“

شہناز چوک ک پڑی۔ اس نے نیچے سے اوپر تک اسے دیکھا۔ یہ ایک لمبا تر نگا آدمی تھا۔ اس نے اپنے لشکر کے کار لکان کے اوپر تک کھڑے کر کر تھے اور نائٹ کیپ چہرے پر جھکا

رکھی تھی۔

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھی۔“ شہزاد نے اسے گھورتے ہوئے تیز لپجی میں کہا۔

”میری اجرت صرف اتنی ہے کہ آپ سارجنٹ حید کو میرا پیچھا کرنے سے کسی طرح روک دیجئے، ورنہ مفت میں اس کی جان جائے گی۔“

”تو کیا آپ..... تو کیا آپ.....!“ شہزاد نے لرزتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں..... میں وہی ہوں جس کا تذکرہ آپ سے سارجنٹ حید نے کیا تھا۔“ وہ بولا۔ ”مجھ سے ذرنش کی ضرورت نہیں۔ میں بلاوجہ کسی کو پریشان نہیں کرتا۔ لیکن اپنے راستے میں آئے ہوئے آدمیوں کو معاف کر دینا میرے بس سے باہر ہوتا ہے۔ اچھا اب جائے..... حید کو اچھی طرح سمجھائے گا..... شب تختیر۔“

اس نے کار اسٹارٹ کر دی۔ شہزاد تحریر کڑی تحریر سے دوڑتی ہوئی کار کو دیکھ رہی تھی۔

کچھ نئی باتیں

دوسرے دن حید ذرا دری سے آفس پہنچا۔ ابھی وہ بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ چیف انسلکر کے یہاں ٹلی ہوئی۔

”آج تم دری میں آئے۔“

”جی ہاں دری ہو گئی بات یہ ہے کہ کل کافی رات گئے تک ایک مشتبہ آدمی کے پیچھے رہا۔“
”کس کیس کے سلسلہ میں۔“

”انہیں عجیب و غریب ڈاکوؤں کے کیس کے سلسلہ میں؟“

”میرے خیال سے تو ابھی میں نے یہ کیس کی کسی کے پر دخیں کیا۔“

”کیا عرض کروں۔ فریدی صاحب کا اس طرح غالب ہو جانا میرے لئے بہت زیادہ“

تکلیف دے ہے۔"

"اور کہیں تمہارا بھی غالب ہو جانا ہم سب کے لئے تکلیف دہنہ ہو جائے۔" چیف اپنے
نے کہا۔ "تم لوگوں کا اس طرح بغیر کچھ کہے نے کوئی کام شروع کر دینا مجھے قطعی ناپسند ہے اور
فریدی کو تو یہی اس کا خط ہو گیا ہے..... خیر یہ دیکھئے۔"

چیف نے ایک کاغذ حید کی طرف بڑھا دیا جس کے اوپر کسی کی انگلیوں کے نشانات
تھے۔ کیا تم انہیں پہچان سکتے ہو۔ چیف نے پوچھا۔
حید تھوڑی دریکھ کو نشانات کو دیکھا رہا پھر فرنی میں سر ہلا کر چیف کی طرف سوالیہ
ٹھاکوں سے دیکھنے لگا۔

چیف نے تکھنی بجائی۔ ایک سار جنٹ کمرے میں داخل ہوا۔
"ایف دوس سات۔"

سار جنٹ چلا گیا۔ تھوڑی دری بعد اس نے ایک چڑے کا تھیلا اکھر میز پر رکھا۔ چیف نے
تھیلا کھول کر میز پر اٹ دیا۔ بہت سے کاغذات میز پر مکھر گئے اس نے ان میں سے ایک کاغذ
ٹکالا اس پر انگلیوں کے نشانات تھے۔ اس نے وہ کاغذ بھی حید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
"دونوں کو ملاو۔"

"دونوں ایک ہی آدمی کی انگلیوں کے نشانات معلوم ہوتے ہیں۔" حید نے خود کرتے
ہوئے جواب دیا۔

"جانتے ہو کس کی انگلیوں کے نشانات ہیں۔" چیف نے کہا۔

حید کا دل شدت سے ہڑکنے لگا۔ منافق ہو گیا۔ وہ سوچنے لگا کہیں یہ نشانات جبوری پر
سے تو نہیں حاصل کئے گئے؟ اگر ایسا ہے تو نہ رے پہنچے، اس نے چیف کے چہرے کو بغور
دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ حید کو ایسا محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کے دماغ پر گھونسہ رسید کر دیا۔
چیف اس کے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت دیکھ کر بولا۔

"مگر اونہیں..... سب خیریت ہے۔ فریدی زندہ ہے۔" چیف نے کہا۔

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“

”دیکھو فریدی کی عرضی ایک ماہ کے لئے رخصت کے لئے آئی ہے۔“ چیف نے ایک کاغذ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ”یہ نشانات میں نے اس غرض سے حاصل کئے ہیں۔ عرضی چونکہ تاپ کی ہوئی ہے اور اس پر فریدی کے دستخط بھی نہیں ہیں اس لئے مجھے خیال پیدا ہوا کہ شاید یہ بھی بدمعاشوں کی کوئی چال ہے۔ اس لئے اس پر انگلوں کے نشانات دیکھنے کی ضرورت پڑیں آئی۔ میرا خیال ہے کہ فریدی پوشیدہ طور پر تفتیش کر رہا ہے اور یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ وہ پڑے لگائے بغیر خپلانہیں بینہ سکا۔“

حید کے ذہن میں وہ بھی انک چہرہ ناپٹنے لگا۔ وہ سوچنے لگا کہ یہ بھی اس کی چال معلوم ہوتی ہے۔ ورنہ فریدی صاحب تو عائب ہونے کے بعد اپنی پرچھائیں تک سے بھڑکتے ہیں۔ اسی صورت میں ان کا باہر سے چھٹی کی درخواست دے کر جانا کہ میں یہاں موجود ہوں کوئی معنی نہیں رکھتا۔ عرضی میں یہ بھی نہیں لکھا تھا کہ وہ بھیجی کہاں سے گئی ہے۔ اگر خود فریدی صاحب کا ارادہ روپوٹی کا ہوتا تو وہ کبھی چھٹی کی درخواست نہ دیتے کیونکہ انہوں نے ایسا کبھی نہیں کیا تھا۔

”بہر حال حالات ناساز گار ہیں۔“ چیف نے کہا۔

”می ہاں.....!“

”اچھا کل رات تم پیچھا کس کا کر رہے تھے۔“

”ایک بہت عی بھی انک آدمی کا جسے میں نے ناولی میں دیکھا تھا۔“

”ناولی.....ویسی جس کا مالک مستوش ہے۔“

”می ہاں.....!“

”اس پر تو عرصہ سے ہم لوگوں کی نظریں ہیں لیکن کبھی ایسا بہانہ ہاتھ نہیں آتا کہ اس کا قلع قع کیا جاسکے۔ وہ عیاشی کا ایک کھلا ہوا اڈہ ہے۔ لیکن کوئی ایسا ثبوت نہیں ملتا جس کی بناء پر کوئی کارروائی کی جاسکے۔“

”در اصل سبکی چیز مجھے وہاں لے گئی تھی۔ مجھے شبہ ہے کہ اس ہوٹ میں عیاشی سے بھی زیادہ بھیاںک کوئی کام ہوتا ہے میرے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں لیکن میرا دل کہتا ہے کہ ان واردا توں کے سلسلے میں اس ہوٹ کا بھی کوئی نہ کوئی حصہ ضرور ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی کہ فریدی کے عابر ہوتے ہی اچانک یہ وارداتیں ہونی کیوں رک گئیں۔ جب کہ متواتر یہ سلسلہ جاری تھا۔“ چیف نے کہا۔
”جیسے پھر یوں کھلا گیا۔

”میرے خیال سے تو اس کی وجہ سبھی معلوم ہوتی ہے۔ فریدی کے عابر ہوتے ہی معاملہ خوبی پولیس کے پرداز دیا گیا ہے۔“

”اچھا ایک اور چیز میری سمجھ میں نہیں آرہی۔“ چیف نے کہا ”کہ آخر فریدی کی عرضی پر اس کے دستخط کیوں نہیں ہیں۔ ایک جاہل سے جاہل آدمی بھی یہ جانتا ہے کہ ٹاپ کی ہوئی بغیر دستخط کی عرضیاں منکور نہیں ہوا کرتیں۔ میرا خیال ہے کہ اس عرضی کے سلسلہ میں اس کے ساتھ کوئی زبردستی کی گئی ہے۔ فریدی نے عملاً اس پر دستخط نہیں کئے تاکہ جاری توجہ خاص طور پر اس کی جانب مبذول ہو۔ میرا دل کہتا ہے کہ وہ کسی مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے۔“
”بھی تو میں بھی سوچ رہا ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”صرف سوچنے سے کام نہ چلے گا۔ ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا چاہئے۔ ابھی تک جو کچھ بھی ہوا ہے میں اس سے مطمئن نہیں ہوں اور یہ طریقہ اختیار کر کے ہم آگے بڑھنے ہی نہیں سکتے۔ ابھی تک اس سلسلہ میں صرف اتنا ہی معلوم ہوا ہے کہ واردات والی رات کو پولیس کی وہ لاری اشیش کے چھاٹ پر دیکھی گئی تھی جسے ڈاکوازا لے گئے تھے جو شخص اس لاری کو چلا رہا تھا اس کے متعلق سننے میں آیا ہے کہ وہ اس تصویر سے بہت ملتا جلتا ہے۔“ چیف نے میرز کی دراز سے ایک تصویر نکال کر حمید کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اڑے یہ تو وعی ہے۔“ حمید کے منہ سے بے اختیار نکل گیا۔
”کون.....!“

”رات جس کامیں پیچا کر رہا تھا۔“

”بہت اچھے۔“ چیف انپکٹر خوشی سے چینا۔ ”تو کیا وہ تمہیں ناٹنی میں ملا تھا۔“
”مجی ہاں۔“

”تو یہ کہو کہ مجھ ناٹنی آج کل بدمعاشوں کا زور ہو رہا ہے۔“ چیف نے کہا۔
”جانستے ہو، یہ کون ہے۔“

حید نے فتنی میں سر ہلا دیا۔

”دلاور خان مشہور پشاوری قاتل، اس نے بہت سے خون کئے ہیں۔ دس سال ہوئے یہ
افغانستان بھاگ گیا تھا۔ اس کے بعد سے قلعی لاپڑہ رہا۔ اچاک پھر دکھائی دیا۔ یہ بتاؤ کہ تم
نے اس کی رہائش گاہ کا بھی پتہ لگایا یا نہیں۔“

”اس کی نوبت ہی نہیں آنے پائی۔ وہ شاید مجھے پہچانتا تھا۔“

اس کے بعد حید نے ہوٹل کی ساری داستان بیان کر دی۔

”بھی وہ بے پناہ طاقت کا آدمی ہے۔ ایک بار اس نے صرف ایک گھونسہ میں ایک آدمی
کی جان لی تھی۔ خیر اگر واقعی وہ اس شہر میں موجود ہے اور اس واردات میں اس کا بھی ہاتھ ہے
تو نج کرنیں جا سکتا۔“

چیف نے لکھنی بجائی۔ ایک آدمی اندر آیا۔

”انپکٹر بیز جی کو سلام دو۔“ چیف نے کہا۔

انپکٹر بیز جی کو آناد کیکہ کر حید کھڑا ہو گیا۔

آج آپ کو دہلی ایک پریس دیکھنا ہے۔“ چیف نے سب انپکٹر بیز جی سے کہا۔

”مجی ہاں..... میں جائی رہا تھا۔“ سب انپکٹر بیز جی اگر بیزی میں بولا۔ ”لیکن صاحب

مجھے کوئی ایسا آدمی دیجئے جو واقعی کام کا ہو۔“

”حید کو لے جائیے۔“

”بہتر ہے۔“ سب انپکٹر نے حید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

دہلی ایک پرنس کے آنے میں ابھی کافی دیر تھی۔ حمید اور انپکٹر بیرونی پلیٹ فارم پر ٹھلنے لگے۔ دھڑا حمید ایک آدمی کو دیکھ کر ٹھنک گیا۔ وہ کوئی مارواڑی سینہ تھا۔ اس کا سامان پلیٹ فارم پر رکھا ہوا تھا۔ غالباً وہ بھی دہلی ایک پرنس کے انتظار میں تھا۔ حمید کو اچھی طرح یاد تھا کہ اس نے اسے گذشتہ رات کو ناولتی میں دیکھا تھا۔ اسے دیکھتے ہی حمید کے ذہن میں فوراً خیال گوئی تھی کہ اس کو کہہ کر وہ کیوں نہ آج اس مہارواڑی کے بھیس میں ہوٹ جائے۔ انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ مارواڑی اس ہوٹ کا کوئی مستقل گاہک ہے کیونکہ پچھلی رات وہ کافی دیر تک ہوٹ کے مجرم سے باشیں کر رہا تھا اور دونوں کا لبچہ کچھ اس قسم کا تھا جس سے بے تکلفی کی بوجاتی تھی۔ حمید سونپنے لگا کہ ضرور یہ کوئی لمبا سفر کرنے جا رہا ہے۔ تبھی تو اس کے ساتھ اتنا سامان ہے۔ مگر یہ کیسے کچھ لیا جائے کہ وہ خود سفر کرے گا۔ بہت ممکن ہے۔ کہ وہ کسی کو رخصت کرنے آیا ہو۔

حمد کی نظر میں اس مارواڑی سینہ پر تھیں اس کا سامان ایک فرشت کلاس کمپارٹمنٹ میں رکھا جا رہا تھا۔ پورا کمپارٹمنٹ ریزورڈ تھا۔ حمید نے ریزرویشن کارڈ پڑھا ڈبہ۔ بھیتی تک کے لئے ریزرو ہوا تھا۔ مارواڑی کو اس ڈبہ میں تھا۔ دیکھ کر حمید کی جان میں جان آئی۔ وہ رات کے لئے پروگرام ہاتھے لگا۔

تموزی دیر بعد انجمن نے سیٹی دی اور گاڑی آہستہ آہستہ چلنے لگی۔

”کہنے صاحب سب تھیک تھا۔“ حمید نے انپکٹر سے پوچھا۔

”تھیک ہی تھا کیونکہ ہمارا لوگ کا ڈبوٹی لگایا جاتا ہے۔“ انپکٹر بیرونی نے کہا۔

آج حمید کے لئے اس وقت اٹھنے آنا بہت ہی کارآمد ثابت ہوا۔

ہنگامہ

حمد شام کو جب گمر لونا تو شہزاد کو اپنے انتظار میں پایا۔ حمید کو دیکھتے ہی وہ اچھل پڑی۔

رات کا واقعہ اتنے سبھے ہوئے لجھے میں بتانے لگی جیسے اسے ڈر نہ کو کہیں وہ خوفناک چہرے والا
تھیں آس پاس چھپا ہوا اس کی گفتگو نہ سن رہا ہو۔

”میں نے خود ہی اپنا فیصلہ بدل دیا ہے کون خواہ خواہ اپنی جان خطرے میں ڈالے۔“
حید نے کہا۔

”مجھے یقین کامل ہے کہ فریدی صاحب بخیریت ہیں اور پوشیدہ طور پر اپنا کام کر رہے
ہیں۔“ شہناز نے کہا۔

”میں تو اب بھک آ گیا ہوں۔ خود بلاوجہ خطرے میں چائم پڑتے ہیں اور ساتھ ہی
ساتھ مجھے بھی ٹھیک نہیں۔“ حید نے ناخنگوار لجھے میں کہا ”اور پھر بعد میں شکایت کرتے ہیں کہ
تم نے میری ذراہ ربار بھی پرواہ نہ کی۔ میں تو بہت جلد اس خدمت سے استھنے دے دوں گا۔
میرے پاس اتنا روپیہ اکٹھا ہو گیا ہے کہ باسانی کوئی تجارت کر سکتا ہوں۔“

”بیس بنا نے لگے ہوائی قلعے۔“ شہناز نفس کر بولی۔ ”کتنا سرمایہ اکٹھا کر لیا ہے آپ
نے۔ آپ کی خواہ ہے یعنی کتنی۔“

”میرے پاس بیس ہزار روپیہ ہے۔“

”بیس ہزار..... کہاں ڈاکہ مارا تھا۔“

”ایک مرتبہ ایک کیس کے سلسلہ میں میں نے اور فریدی صاحب نے سادھو بن کر
چالیس ہزار روپیہ کمایا تھا۔“

”تو اس میں سے بیس ہزار روپیے آپ کو ملے تھے۔“

”نہیں پورے چالیس ہزار، فریدی صاحب اس قسم کی رقمیں نہیں رکھتے اور پھر انہیں کسی
کس بات کی ہے۔ لکھنؤ کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، لاکھوں روپیے کی جائیداد ہے۔“

”تو بقیہ بیس ہزار کیا ہوئے؟“

”بیس ہزار تو الگ ہیں۔ ان کو تو میں ہاتھ سکن نہیں لگاتا۔ بقیہ بیس ہزار میں سے صرف
دس ہزار رہ گئے ہیں۔“

”دکھنے کیا ہوئے۔“

”کمال کر دیا..... اسے بھی وہ خرچ ہو گئے۔ بھلا کوئی ہندوستانی جاسوس صرف تجوہ کے
بل پر اتنی نوابی کر سکتا ہے۔“

”تو یہ کہئے کہ آپ خیرات کے پیوں سے مزہ کر رہے ہیں۔“

”خیرات کے کیوں۔“

”خیرات نہیں تو اور کیا۔ سادھو اور فقیروں کو خیرات نہیں دی جاتی تو اور کیا؟ بیجا رے
غربوں کی گاڑھے پسند کی کمائی کو آپ لوگوں نے دھوکہ دے کر لوٹ لیا۔“

”ایسا تو نہیں۔“ حمید نے کہا۔ یہ مہارانی صاحبہ کا عطیہ ہے۔ چار سال ہوئے ہم لوگ
ایک قائل کی خلاش میں بنا رہے گئے وہاں پہنچا کر وہ ایک بہت بڑے گروہ کا سراغنہ ہے اور یہ
بھی معلوم ہوا کہ اس کے ساتھی اور وہ خود عموماً سادھوؤں کے بھیس میں رہتا ہے۔ لہذا ہم لوگوں
نے اپنا جال پھیلانا شروع کر دیا۔ فریدی کی شعبدہ بازیوں کی وجہ سے ہم لوگ بہت جلد مشہور
ہو گئے۔ ایک بار فریدی نے کمال کر دیا۔ رات کا وقت تھا۔ فریدی کے دربار میں معتقدین کا
حکمکٹ تھا۔ دفعتا زور کی آندھی چلی، سارے چراغ گل ہو گئے لیکن فریدی صاحب کا چہرہ
اندر سرے میں جگہا رہا تھا۔ بس پھر کیا تھا نہرے گوئے لگے۔ آندھی ختم ہو جانے کے بعد چراغ
دوبارہ جلانے گئے۔ اب ان کا چہرہ اپنی اصلی حالت پر آگیا تھا۔ اس دن کے بعد سے سارا
بنارس الٹ پڑا۔ دور دور سے لوگ درشن کے لئے آنے لگے۔ روزانہ ہزاروں روپے کی
بیسیں چڑھتی تھیں، لیکن فریدی صاحب سب کو واپس کر دیتے تھے۔ ایک دن مہارانی صاحب ان
کے درشن کو آئیں۔ یہ بیچاری اس وقت حاملہ تھیں کہ قدم انہما دو بھر ہو رہا تھا۔ ان کے ساتھ
ایک ٹریجھڈی تھی اور وہ یہ کہ ان کا ہر پچھر مردہ ہیدا ہوتا تھا۔ فریدی صاحب نے انہیں بہت زیادہ
ڈپٹ کر دعا دی۔ جاتے وقت انہوں نے کچھ نذر کرنا چاہا مگر چونکہ میں فریدی صاحب کی
عادت سے واقف تھا اس لئے میں نے ان کے بولنے سے قبل ہی رانی صاحب سے کہہ دیا کہ
اس کا نام بھی نہ لجھے گا اور نہ مہا تھا جی ناراض ہو جائیں گے۔ مہارانی صاحبہ لوٹ گئیں۔ ان کے

جانے کے بعد فریدی صاحب نے مجھے خوب ڈانتا اور کہا کہ اسی موئی اسمیوں کا مال جائز ہے۔ مہارانی صاحبہ اپنے حمل کے دن پورے کر رہی تھیں۔ تین چار دن کے بعد ان کے پچھے ہوا لیکن اس بارہ وہ بیج ٹکڑے زندہ رہا۔ ایک ہفتہ کے بعد مہاراجہ پرنس نصیر شریف لاۓ اور ہمارے مہاتما کو ڈھونڈت کر کے ایک کونے میں چپ چاپ بیٹھ رہے۔ میرے شیر کے رعب کا یہ عالم تھا کہ مہاراجہ صاحب تمثیر کا پر رہے تھے۔ آخر ڈھونڈت ہوئے انہوں نے ہزار ہزار کی چالیس گذیاں مہاتما کے چوتھوں میں رکھ دیں۔ مہاتما نے ایک ٹھوکر رسید کی لیکن میں نے بہت احتیاط سے انہیں اٹھا کر اپنے پاس رکھ لیا۔ مہاراجہ صاحب نے الجا کی کہ ہم لوگ بناں چھوڑ کر انہی کی ریاست میں رہیں۔ لیکن مہاتما جی نے وہ ڈانت پاائی کہ اوسان خطا ہو گئے۔ یہ ہے ان روپیوں کی کہانی۔“

شہناز بڑی توجہ کے ساتھ سن رہی تھی۔

”آخر ان کا چہرہ چکنے کیے لگا تھا۔“ شہناز بولی۔

”خود فریدی کے تیار کردہ ایک نسخہ کی کرامت تھی۔“

”بھی کمال کرتے ہیں آپ لوگ بھی۔“ شہناز نے کہا۔ ”اچھا پھر اس ڈاکو کا کیا ہوا۔“

”هر لیا گیا!“ حمید نے کہا۔ ”بھلا فریدی کسی کام میں ہاتھ دیا لے اور وہ ادھورا رہ جائے۔“

”تو بہر حال آپ لوگ اس طرح اچھی خاصی دولت پیدا کر لیتے ہیں۔“ شہناز نے کہا۔

”اور اس پر بھی آپ استغفاری دینے پر تسلی ہوئے ہیں۔“

”کیا کیا جائے..... سکون نہیں ملتا۔“ حمید بولا۔ ”اب تکی دیکھ لو کہ ابھی ابھی دفتر سے آرہا ہوں۔ اب ایک گھنٹے کے اندر مجھے چیف کے بلگہ پر بہنچتا ہے۔ اب تم ہی بتاؤ انکی حالت میں کوئی شریف آدمی اس قسم کی ملازمت کیے گوارا کر سکتا ہے۔“

”کیوں اب کہیں جانا ہے۔“ شہناز نے کہا۔

”کچھ نہیں معلوم..... بس حکم ملا ہے۔“

”واہ یہ اچھی رہی۔“ شہناز نے کہا اور پھر کچھ دھر ادھر کی باتعلیٰ چھیڑ دیں۔ حمید بھج رہا تھا

کہ شہناز یہ سن کر کہ ابھی اسے پھر چیف انپکٹ کے بہاں جانا ہے چلی جائے گی اور وہ اطمینان سے آج رات کے پروگرام پر غور کرے گا۔ لیکن شہناز نے مس نہ ہوئی۔ حمید کو اختلاج ہونے لگا۔ آخر کس طرح اس سے چھکارا حاصل کرے۔ اگر اسے ذرا سا بھی شبہ ہو گیا کہ وہ پھر دلاؤ خان کے چکر میں جا رہا ہے تو وہ اس کا ناطق بند کر دے گی۔ شہناز کی زبردستیوں پر اکثر اسے غصہ آنے لگا تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ فریبی واقعی بڑا حکم ہے جب محظوظ کے ہاتھوں یہ حال ہو جاتا ہے تو یہوی کتنی خطرناک ثابت ہوتی ہو گی۔

”اُرے بھی ذرا جلدی کھانا تیار کرو۔“ حمید نے نوکر کو آواز دے کر کہا۔ ”مجھے جلدی جانا ہو گا۔“

”اُنکی بھی کیا جلدی۔“ شہناز بولی۔ ”ذیوٹی تو پوری ہی کرائے ہیں اب ذرا دیری کی۔“

”ہم لوگ چوبیس گھنٹے ذیوٹی پر رہتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”سب کہنے کی باتیں ہیں۔“

”نہیں کرنے کی باتیں ہیں۔“

”آپ سے زیادہ ڈرپُک آدمی میں نے آج تک دیکھا ہی نہیں۔“ شہناز طرفی چھوٹ میں بولی۔

”مجھے افسوس ہے کہ تم نے اپنی اتنی عمر مفت شائع کی۔“ حمید نے کہا۔

”کیوں.....؟“

”اس لئے کہ تم نے اب تک کوئی ڈرپُک آدمی نہیں دیکھا۔“

”دیکھو تو رہی ہوں۔“

انتہے میں کھانا آگیا۔ دوتوں نے کھانا کرنے کے بعد پھر لٹا شروع کر دیا۔

”اچھا بھی..... اب چلنا چاہئے۔“ حمید نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ”چلو تم کو تمہارے گھر چھوڑ کر میں چیف کے بہاں چلا جاؤں گا۔ آج گاڑی بن گئی ہے۔“

حمید نے کارنگالی اور شہناز کو لے کر اس کے گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اسے گھر چھوڑ کر وہ یونہی بلا مقصد بڑی دیر تک سڑکوں کے چکر کاٹتا رہا۔ تقریباً آٹھ بجے وہ گھر لوٹا اور سیدھا

ڈرینگ روم میں مکھی گیا۔ ایک گھنٹے کے بعد جب وہ وہاں سے نکلا تو رامبے کی روشنی گل کر کے اندر میں چھپتا چھپانا نوکروں کی نظر میں سے پچھا ہوا سڑک پر آ گیا۔ وہ اسی دوپہر والے ماروازی سینئر کے بھیس میں تھا۔ تھوڑی دور پیدل جانے کے بعد اس نے جیسی کی اور ناٹھی چاپنچا۔ حسب دستور یہاں کافی چال پہل تھی۔ اس نے چاروں طرف نظر میں دوڑا میں لیکن دلاور خان کہیں نہ دکھائی دیا۔ فیکر نے اسے دور ہی سے سلام کیا۔ حمید دانت نکال کر سلام کا جواب دیتے ہوئے ایک خالی کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کی نظر میں فصب کے ہوئے اس عورت کے بت پر پڑیں جس کے جسم کے گرد آج دوسرا ساری لجنی گئی تھی۔ یہاں یہ بت بھی عجیب و غریب چیز تھا۔ دور سے بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ کوئی انہائی حسین عورت کھڑی ہو۔ روزانہ اس کے کپڑے تبدیل کر دیتے جاتے تھے۔ بت ایک چار پانچ فٹ کے دائرہ نمائچہ جوڑے پر فصب تھا۔ ”حمید درینگ اسے گھورتا رہا۔

اس نے بیرے سے بیڑ لانے کو کہا اور اوٹکھنے لگا۔

ابھی بیڑا واپس نہیں آیا تھا کہ اسے کل والا وہی قوی ہی کل آدمی دکھائی دیا جو کل دلاور خان کے ہاتھ پہنچ گیا تھا۔ وہ سیدھا اسی کی طرف آرہا تھا۔ حمید نے کوٹ کی جیب میں ہاتھ ڈال کر ریو اور کو مضبوطی سے کپڑا لیا۔ اس کا اندازہ تو اس نے کل ہی لگایا تھا کہ وہ بھی کوئی بدمعاش ہے۔ اس نے قریب آ کر مودبان انداز میں حمید کو سلام کیا اور اسکے قریب ہی بیٹھ گیا۔

”کیوں سیٹھ جی آج کیا بات ہے۔ بہت کھوئے کھوئے نظر آ رہے ہو۔“

”کوئی بات نہیں.....!“ حمید نے سکرا کر کہا اور کھانے لے گا۔ ”کیا ہاؤں سکھت جھکام۔“

”ہم کو ہو گیا ہے۔“

”یہ تو آپ کی آواز ہی تاریخی ہے۔“ وہ بولا۔ ”موسم ہی ایسا ہے۔“

”موسم سالاحرامی ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”آج اسی لئے بیڑ پی رہا ہوں، تم کیا پوچھے۔“

”جو پلا دے میرا سیٹھ۔“

”تم اسکا رجیو.....!“

اس آدمی نے دانت نکال دیئے۔

اس کا تو حمید نے پہلے ہی اندازہ لگایا تھا کہ یہ آدمی مارواڑی سینہ سے کافی بے تکف معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے اس نے اختیاط سے کام لیما شروع کر دیا تھا۔
”اے یہاں ایک بڑا اسکاچ اور سوڈا بھی لاو۔“

یہاں جلد ہی اسکاچ اور سوڈا لے آیا۔ دونوں پینے لگے، آج حمید جی کڑا کر کے زندگی میں پہلی بار بھی رہا تھا۔

”کیوں سینہ آج کھیل نہ ہوگا۔“ وہ آدمی اسکاچ کی چکلی لے کر بولا۔

”نہیں بھائی، آج طبیعت تھیک نہیں۔“

”آج ایک بڑی عمدہ چیز آئی ہے۔“ وہ آدمی بولا۔ ”میں آپ کا انتظار ہی کر رہا تھا۔“

”اچھا.....!“ حمید مکر اکرمی خیر انداز میں بولا۔ ”اب وہ معاملہ کی تہہ تک پہنچ چکا تھا۔“

”ہاں سینہ.....بس سمجھ لو پکا آم ہے۔“

حمدہ ندیوں کی طرح ہوتوں پر زبان پھیرنے لگا۔ دونوں نے جلدی جلدی شراب ختم کی۔

”آؤ چلیں.....!“ وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

حمدہ اس کے پیچے ہولیا۔ ہاں سے گذر کر انہیں کمی اور کروں اور گلیاروں سے گزرا پڑا۔

ایک کرے میں پہنچ کر اس آدمی نے ایک الماری سے ربوڑا تو بڑا نکلا اور حمید کو پکڑا دیا۔ حمید

ختیرت میں تھا کہ آخر اس کا کیا مطلب ہے۔

”کیا سوچ رہے ہو سینہ۔“ وہ حمید کوشش و پیش میں دیکھ کر بولا۔

وھا ایک خیال بھلی کی طرح حمید کے ذہن میں کونڈ گیا۔

”روز روز وہی پڑی، آگھر تم ہمارا اعتبار کیوں نہیں کرتا۔“ حمید نے وہ تو بڑا اپنی آنکھوں پر

چھاتے ہوئے کہا۔ ”تو بڑا اس کی آنکھوں پر اس طرح فٹ ہو گیا کہ روشنی کی بھلی سی لکیر بھی

اے نہیں دکھائی دیتی تھی۔ اب اس آدمی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے لے کر چلنے لگا۔ وہ

انکھوں کی طرح اس کے ساتھ چارا تھا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ تو بڑے کوڑا سا کھسکا کر کم از کم

راستہ ہی دیکھ لے لیکن ہمت نہ پڑی اور اگر ہمت پڑ بھی جاتی تو وہ ایسا کری کیسے سکتا تھا جبکہ اس آدمی نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔

تحوڑی دیر بعد اسے ایسا محسوس ہوا جیسے وہ کسی زینہ سے نجی اتر رہا ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ اب وہ کسی تہہ خانہ میں جا رہا ہے۔ زینہ طے کرنیکے بعد اسے تھوڑی دور اور اسی طرح چنان پڑا۔ پھر اسکے دونوں ہاتھ چھوڑ دیے گئے۔ اس نے جلدی سے تو بڑا اتار کر اپنے ساتھی کو پکڑا دیا۔ اس وقت وہ ایک بہت لمبے چوڑے تہہ خانہ میں تھا جہاں بے شمار میزیں اور کریں ایں پڑی تھیں اور لوگ بیٹھے جو اکھیل رہے تھے۔ ایک طرف کچھ لوگ زمین پر اونٹھے پڑے چاغوں پر رہے تھے۔ حید کا ساتھی اسے اپنے ساتھ لئے ہوئے ایک کمرے میں آیا۔ یہاں ایک عورت نیم عمریاں حالت میں بیٹھی شراب پی رہی تھی۔ حید اسے دیکھ کر بھوچ کارہ گیا۔ یہ شہر کے مشہور لکھ پتی کی نوجوان یہوی تھی۔

”کیا تمہیں اس گندے مار داڑی کے علاوہ کوئی اور نہیں ملا۔“ وہ کری سے اٹھ کر تیز لمحہ میں بولی۔ ”دور ہو جاؤ یہاں سے۔“

”سننے تو کسی۔“ وہ بولا۔

”میں کچھ نہیں سنتی، تم اجتنحے خاسے گدھے ہو۔“ وہ جیخ کر بولی۔ ”نکالو اسے یہاں سے..... اگر کوئی اور نہیں تو تم خود کس سے کم ہو۔“

حید کا ساتھی اسے پھر بڑے کرے میں لے آیا۔ جہاں لوگ جو اکھیل رہے تھے۔

”سینہ تم یہاں بیٹھو، میں ابھی آیا، پھر دو دو ہاتھ ہوں گے۔“ اس نے کہا اور اسی کمرے میں واپس چلا گیا۔

اب حید کی سمجھ میں اچھی طرح آگیا تھا کہ یہاں کیا ہوتا ہے۔ اس نے چاروں طرف نظر دوزائی۔ فھٹا وہ چونک پڑا، ایک میز پر دلاور خان بھی جو اکھیل رہا تھا۔ ایک طرف آدمی بوتل شراب اور گلاس رکھے تھے۔ ہوتلوں میں موٹا سا سگار دبا ہوا تھا۔ حید نے پھر ایک بیرے کو بلا کر نیز کا آرڈر دیا۔ وہ اس میز پر بالکل تھما تھا۔ جیسے ہی بیر اشраб لے کر آیا کسی طرف سے

دو آدمی اور آکر میز پر بیٹھے گئے۔

”کیوں سینٹھ کیا ارادہ ہے۔“ ایک نے کہا۔ ”کیا آج کھیلو گئے نہیں۔“

”ہو گا کھیل..... مگر زیادہ لمبا نہیں۔“ حمید نے اپنے مصنوعی غلیظ دانتوں کی تماش کرتے

ہوئے کہا۔

”آڈ تو ہو جائے۔“ دوسرا بولا۔

اتھے میں وہ شخص بھی آگیا جو حمید کو اپنے ساتھ لایا تھا۔

”کہوا ستاد کیسی رعنی.....!“ وہ کھانی فٹی پستا ہوا بیٹھ گیا۔

”چیز تو پڑھیا ہے۔“ حمید نے پھوہڑ پنے کے ساتھ کہا۔

”ہو گی پر اپنے کام کی نہیں۔“ وہ بولا۔

پتے بات دیئے گئے اور وہ چاروں بھی کھلنے لگے۔ حمید برابر ہارے جا رہا تھا۔ اس نے
محسوں کر لیا کر پتے لگائے جا رہے ہیں اس لئے اس نے احتیاط سے کھینٹا تروخ کر دیا۔ وہ برابر
پتے پھیکتا جا رہا تھا۔

”آج چال نہیں چل رہے ہو سینٹھ کیا بات ہے۔“ ایک بولا۔

”آج پیر کم ہے۔“ حمید نے ہکا۔

”اڑے تم اس کی پرواہ کیوں کرتے ہو۔ ادھار لے لو۔ اپنے ہی آدمی ہو کوئی غیر نہیں۔“

دفعتاً ایک دھاکہ کی آواز سنائی دی۔ سب چوک چڑھے۔ دل اور خاں نے میز الٹ دی تھی

اور اب کھڑا ہاتھ میں خالی بوگل لئے ہوئے تول رہا تھا۔ اس کے ساتھ کے تینوں کھلاڑی زمین
پر چڑھے ہوئے تھے۔

”پتے لگاتے ہو۔“ وہ گرج کر بولا۔

پھر ایک روپالور چلنے کی آواز سنائی دی۔ لوگ اس طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک قد آور آدمی
جس نے اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپا رکھا تھا ایک ہاتھ اٹھائے کھڑا تھا۔ سارے تہہ خانہ میں
سنائی چھا گیا۔ کھیل بند ہو گیا، سب لوگ اپنی اپنی جگہ دم بخود کھڑے تھے۔ نقاب پوش آہستہ

آہستہ چلا ہوا دلادر کے قریب آیا اور اسکے ہاتھ سے خالی بوٹل چین کر ایک طرف ڈال دی۔
دلادر خاں چپ چاپ کھڑا تھا۔

”کون ہو تم.....!“ نقاب پوش گرج کر بولا۔
دلادر خاں چپ چاپ کھڑا رہا۔

”اے یہاں کون لایا ہے۔“ نقاب پوش مجھ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔
”میں.....!“ حمید کا ساتھی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”یہ وہی ہے جس سے کل میری لڑائی ہوئی تھی۔“
”اچھا تو یہ وہی ذات شریف ہیں۔“ نقاب پوش دلادر کی طرف دیکھ کر سر ہلاتے ہوئے بولا۔
دلادر خاں مسکرانے لگا۔

”تم نے یہاں ہڑبوگ کیوں چاہی۔“ نقاب پوش تیز لجر میں بولا۔
”تمہارے کھلاڑی بے ایمانی کرتے ہیں۔“ دلادر خاں نے پر سکون لجر میں کہا۔
”بکواس ہے۔“ نقاب پوش نے کہا۔ ”تمہارے پاس کیا ثبوت ہے۔“
”یہ ”وہرے تاش.....!“ دلادر اسے تاش کی دو گنڈیاں دکھاتے ہوئے بولا۔ ”شریقوں
کی بیب پر ڈاکر کہ ڈالو تو ایک بات بھی ہے ہم جیسے تو تم جیسوں کے لئے جیب میں روپا اور بھی
موجود رکھتے ہیں۔“

”بڑے تمیں مار خاں ہو!“ نقاب پوش ٹھریہ لجر میں بولا۔
”میں تمیں دونا سانچہ مار خاں ہوں بیٹا۔“ دلادر خاں سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے بولا۔
نقاب پوش نے دلادر خاں کے منہ پر ایک گھونسہ مار دیا، دلادر لڑکھڑا گیا۔ شاید وہ اس
کیلئے تیار نہ تھا۔ وہ جلد ہی سنبلہل گیا۔ نقاب پوش نے دوسرا گھونسہ مارا۔ پھر تیسرا اور پھر اس نے
گھونسوں کی یو چھاڑ کر دی۔ دلادر خاموشی سے پٹ رہا تھا۔ تھوڑی دری بعد نقاب پوش ہائپنے لگا۔
”اچھا اب ایک میرا بھی سنبلہلو۔“ دلادر نے اسے سست ہوتا دیکھ کر کہا۔ دلادر کا ہاتھ
پڑتے ہی نقاب پوش ڈھیر ہو گیا۔ اس کے منہ سے خون نکل رہا تھا۔ اس نے اخنے کی کوشش کی
لیکن اب کی دلادر نے اس کی تھوڑی پر ایک لات رسید کی، نقاب پوش بلبلہ اٹھا۔

ید کیجے کر حمید کے ساتھی نے پتوں نکال لیا، نہ جانے کس اپاٹک خیال کے تحت حمید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اوپر اٹھا دیا، گولی چل چکی تھی۔ بکلی کا بلب نشانہ ہو گیا اور سارے قبیہ خانہ میں اندر ہرا چھا گیا۔ اندر میرے میں اچھا خاصا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ لوگ ادھر ادھر ایک دوسرے سے گلرا تے پھر رہے تھے۔ کسی نے حمید کی کنٹی پر ایک گھونسہ رسید کیا، وہ چکرا کر گرنے لگا۔ فوراً کسی نے اسے سنبھال لیا اور اپنی پینچھے پر لاد کر لے بھاگا۔ وہ اوپر چڑھ رہا تھا۔ اوپر سڑھی پر پہنچ کر اس نے حمید کو اتار دیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف آہستہ آہستہ رینگنے لگا۔

”چپ چپ چلے آؤ۔“ اس نے آہستہ سے کہا۔ حمید کا سر چھٹت سے گلرا رہا تھا۔ دونوں نے چھٹ ٹولنا شروع کی لیکن باہر جانے کا کوئی راستہ نہ ملا۔ چھٹت سے تقریباً ایک فٹ پیچے میسہ کو چھٹت اور دیوار کے درمیان اتنی جگہ محسوس ہوئی جس میں ایک آدمی لیٹ کر بآسانی ریکھ سکتا تھا۔ غالباً اس کے ساتھی نے بھی اسے محسوس کر لیا تھا۔

”ادھر چڑھ چلو.....!“ اس نے آہستہ سے کہا۔

دونوں اس دروازہ میں لمبے لمبے لیٹ گئے۔

”اب یہاں لیٹ کر کسی آنے والے کا انتظار کرنا چاہئے، یہاں دروازہ ضرور ہو گا اور نہ زینوں کی کیا ضرورت تھی۔“ وہ آہستہ سے بولا۔

”مگر اس طرح ہم لوگ دیکھ لئے جائیں گے۔“ حمید نے ہکا۔

”اچھا تو آگے کی طرف کھلنا شروع کرو، دیکھیں ادھر کیا ہے۔“ وہ بولا۔ دونوں لیٹھی ہی لیٹھ رینگنے لگے۔ تھوڑی دور سرکنے کے بعد حمید نے عجیب قسم کی بدبو محسوسی کی اور ساتھ ہی پانی بہنے کی بکلی بکلی آواز سنائی دینے لگی۔

دلاور آگے تھا۔ دھنٹا وہ رک گیا۔ اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی تارچ نکال کر روشن کی۔ آگے ڈفت چڑھا اور تقریباً چار فٹ لمبا ایک گز رہا تھا۔ حمید اپنے ساتھی کو بنور دیکھ رہا تھا۔ ”یچے کوئی گندہ نالاب بہہ رہا ہے۔“ اس نے حمید کی طرف مڑ کر کہا۔ ”مگر بدبو بہت سخت ہے۔ اب چلو ایک تدبیر سمجھ میں آتی ہے کہ ہم لوگ اس میں کو دپڑیں کہیں نہ کہیں تو جا کر

نکلیں گے۔"

اور اگر کبھی یہ نالا آگے چل کر نالی ہو گیا تو کیا ہو گا۔" حمید بولا۔

"اچھا، اور اگر یہاں پکڑے گئے تو کسی خاطر ہو گی۔ یہ بھی سوچ لو میری جان۔ بچانے کے صلیں وہ تمہیں کافی کڑی سزا دیں گے۔ میرے خیال میں تو اس نالے میں گھٹ کر مر جانا کوئی اچھا نہ ہو گا۔"

"جیسی تھا ری مرضی.....!" حمید نے بے بی سے کہا۔

"اچھا تو پہلے میں کو دتا ہوں۔" یہ کہہ کر دلا اور اس گزھے میں اتر گیا۔ نیچے سے اس نے ٹارچ دکھائی اور حمید بھی کو د پڑا۔ تقریباً چار پانچ فٹ چوڑا قد آدم نالا تھا۔ سارے شہر کا گندراپانی اس میں بہا کرتا تھا۔ حمید نے اپنی ٹاک مضمونی سے دبارکی تھی۔ دونوں آہستہ بڑھنے لگے۔ پانی حمید کی کمر تک تھا۔

"میرا تو تم گھٹ رہا ہے۔" حمید نے کہا۔

"مگر اونٹیں..... یہ نالا ہرگز نالی نہیں ہو سکتا ہے۔"

"لیکن ہم کب تک اس طرح چلتے رہیں گے۔ باہر نکلنے کی کیا صورت ہو گی۔" حمید نے کہا۔

"تم نے سڑکوں پر بعض جگہ لو ہے کی جن جھریاں لگی ہوئی دیکھی ہوں گی۔ ان کا تعلق نالے سے ہے مگر اونٹیں۔"

تحوڑی دیر چلنے کے بعد پانی کی سُلٹ پر روشنی کے کئی لہریے دکھائی دیئے۔

چلو جھری بھی آگئی۔" حمید نے کہا۔

"پاگل ہوئے ہو، اس جگہ کافی آمد و رفت معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہاں اوپر نکلے تو اچھی خاصی جامات بن جائے گی۔ تم تو خیر قع عی جاؤ گے لیکن میرے سلسلہ میں کافی چھان بین کی جائے گی اور نیچے یہ ہو گا کہ میں جیل میں نظر آؤں گا۔"

"بھلا میں کیسے قع جاؤں گا۔" حمید نے کہا۔

"حمدیہ میاں، تم مارواڑی کے بھیس میں مجھ سے نہ چھپ سکو گے۔" دلاور خاں فس کر

بولا۔ "خیر چلو..... میں نے تمہیں معاف کر دیا۔ اگر آج تم میرے بیچے نہ لگتے تو میں دوسری دنیا میں ہوتا۔"

"کیا واقعی تمہارا تعلق ان لوگوں سے نہیں۔" حمید نے کہا۔

"ہرگز نہیں..... میں ان لوگوں سے بدل لئے بغیر نہ چھوڑوں گا۔"

"آخر یہ لوگ ہیں کون۔" حمید نے پوچھا۔ "اور وہ مقاب پوش کون تھا۔"

"ناٹھی کامالک سنتو ش.....!" دلاور نے کہا۔ "یہ لوگ صرف تمہیں تک محدود نہیں،

انہوں نے اپنا جاہ دور درستک پھیلا رکھا ہے۔"

"اگر یہ بات ہے تو کل ہی....."

"مجی ہاں کل ہی آپ انہیں گرفتار کر لیں گے۔" دلاور نے ہٹریہ انداز میں کہا۔ "ان کے

خلاف ثبوت کیسے ہمیا کرو گے۔"

"تمہرہ خانہ اور اس کی غیر قانونی حرکتیں۔" حمید نے کہا۔

"تو کیا تم اس تمہرہ خانہ میں دوبارہ پہنچ جانے کی امید رکھتے ہو۔" دلاور نے کہا۔ "کیا

تمہاری آنکھوں پر پی نہیں یاد ہی گئی تھی۔"

"ہم لوگ اسی نالے کی راہ سے حملہ کریں گے۔" حمید نے کہا۔

"بہت خوب.....!" دلاور نے فس کر کہا۔ "وہ گڑھا اسی وقت پاٹ دیا جائے گا اور کل

تمہیں اس کا نشان تک نہ ملے گا۔"

"خیر چھوڑو۔" حمید نے کہا۔ "یہ بتاؤ کہ تم نے فریدی صاحب کو کیوں گرفتار کر رکھا ہے۔"

"فریدی کو آج چھوڑ دیا ہے۔" دلاور نے کہا۔ "کیا وہ گھر نہیں پہنچا۔"

"نہیں.....!" حمید نے کہا۔

"تو پھر مجھے ذر ہے کہ کہیں وہ سنتو ش کے ہتھے نہ چڑھ گیا ہو۔"

"نہیں.....!" حمید نے کہا۔

"میری تو خاک سمجھ میں نہیں آتا کہ آخرا ب کیا ہو رہا ہے۔" حمید نے بے بسی سے کہا۔

”چیز ہی اُنکی ہے کہ اسے سینہ اگر وال، فریدی، سنتو ش اور میرے علاوہ کوئی اور جان بھی نہیں سکتا۔“

”اچھا تم نے فریدی کی تجویز سے کیا چیز غالب کی تھی۔“ حمید نے پوچھا۔

”یہی تو ہمارا راز ہے، جو بتایا نہیں جاسکتا۔“ دلاور نے کہا۔ آخر فریدی نے تم سے کیوں چھپایا تھا۔“

”یہی تو سمجھ میں نہیں آتا۔“ حمید نے کہا۔

”اچھا دیکھو وہ روشنی دکھائی دے رہی ہے۔ یہ جگہ سنان معلوم ہوتی ہے۔“ دلاور نے کہا۔

حمد نے اوپر سراخنا کر دیکھا۔ چنگھری سے دھند لی دھند لی روشنی آتی دکھائی دے رہی تھی۔

سرک کا یہ حصہ کافی ویران معلوم ہوتا تھا۔ حمید نے دونوں ہاتھ انداختا کر چنگھری میں ٹکا دیئے اور زور لگانے لگا لیکن چنگھری میں جبکہ بھی نہ ہوئی۔ دلاور ہنسنے لگا۔ اس نے حمید کو ایک طرف ہٹا دیا۔

چند منٹوں کی جدو جهد کے بعد وہ چنگھری کو اس کی جگہ سے ہٹانے میں کامیاب ہو گیا۔

دونوں اچھل کر باہر آئے۔ چنگھری پھر وہیں فٹ کر دی گئی۔ حمید سردی کی وجہ سے نبڑی طرح کاپ رہا تھا۔ لیکن دلاور پر کوئی خاص اثر نہ معلوم ہوتا تھا۔

”اچھا شکریہ!“ دلاور نے حمید سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ ”تم نے میری جان بچائی ہے۔“

”اور تم نے میری.....!“ حمید نے کہا۔ ”دونوں برابر ہو گئے۔“

”مطلوب.....!“ دلاور خس کر بولا۔

”یہی کہ اگر آسانی سے کبھی میرے ہتھے چڑھ گئے تو چھوڑوں گا نہیں۔“ حمید نے کہا۔

”لوٹے ہو حمید میاں، چالیس سال سے آزاد پھر رہا ہوں ابھی تک تو کوئی مائی کا لال ایسا پیدا نہیں ہوا جو مجھے پکڑ سکے۔“

”خبر دیکھا جائے گا۔“ حمید بولا۔ ”اس کا فیصلہ وقت کرے گا۔“

ہینڈز اپ

حید نے دوسرے دن ساری روئیداد چیف انسپکٹر کو سنائی۔ وہ سنائے میں آگیا۔

”واقعی فریدی کی محبت نے تم پر کہرا اڑا للا ہے۔“ چیف نے کہا۔ ”اس وقت کوئی انسپکٹر بھی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔“

”ذرہ نوازی ہے آپ کی۔“

”اور مجھے حیرت ہے کہ آخر فریدی تمہاری ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کیوں ڈالتا رہتا ہے۔“

”در اصل وہ یہ نہیں چاہتے کہ میں ان سے الگ رہوں۔“ حید نے کہا۔

”اچھی سنک ہے۔“ چیف نے کہا۔ ”اچھا یہ بتاؤ کہ تم نے دلاور خال کو کیوں نکل جانے دیا۔“

”اس وقت میں کریں کیا سکتا تھا۔“

”دیکھو یہ بہت اچھا موقع ہے۔ جب دو بدمعاشوں میں کھٹ پٹ ہو جائے تو ہمیں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہئے۔ غالباً تم میرا مطلب سمجھ گئے ہو گے۔“

”بہت اچھی طرح۔“

”تو آج رات کو ہم لوگ ناولی چل رہے ہیں۔“ چیف نے کہا۔ ”تمہرے خانہ میں پہنچنا تو اب کافی حال ہے کیونکہ وہ لوگ اب کافی محتاط ہو گئے ہوں گے۔“

”یہ تو ہے۔“

”جب تک ہمارے پاس عمل ثبوت نہ ہو ہم ان لوگوں کو گرفتار نہیں کر سکتے۔“ چیف نے کہا۔ ”دلاور خال پر بھی کسی نہ کسی طرح ہاتھ پڑنا ہی چاہئے۔“

”حال ہے۔“

کیوں.....؟"

"بہت چالاک آدمی ہے۔" حمید نے کہا۔ "مجھے تو اس بات پر حیرت ہے کہ وہ اس طرح
آزادانہ کس طرح گھومتا پھرتا ہے۔"

"یہاں اسے کوئی پہچانتا نہیں۔" چیف نے کہا۔

"ایک صورت سے ہمیں اس سے بڑی مدد مل سکتی ہے۔" حمید نے کہا۔

"وہ کیسے؟"

"نہ بیان ہم وگ اسے اپنے ساتھ ملا لیں وہ بھی ان لوگوں کا جانی دشمن ہو رہا ہے۔"
حید نے کہا۔

"لیکن یہ ہو گا کیسے.....؟" چیف نے کہا۔

"یہ آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔"



اسی دن ناولی ہوٹل کے ایک کمرے میں دلاور بینشا شراب پی رہا تھا۔ یہ ایک بہترین طرز
پر سجا یا ہوا چھوٹا سا کمرہ تھا۔ دلاور نے طویل انگڑائی لیتے ہوئے گھری دیکھی اور سگار لٹا کر
ہونتوں میں دباتے ہوئے صوفے کے عکس سے لگ گیا۔ فتحاً ایک آدمی کمرے کا دروازہ کھوٹ
کر اندر داخل ہوا۔ دلاور نے پلٹ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارانہ کی۔ آنے والا کچھ دیر تک اس
کے پیچے کھڑا اسے گھوڑا رہا۔

"فرمائیے کیسے تکلیف، کی۔ میرے لائق کوئی خدمت.....؟" وہ آدمی بولا۔ دلاور خال
ایک خاص انداز میں مسکرا کر پلٹا۔ وہ اسے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"غائب میں سنتوش بابو سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کر رہا ہوں۔" دلاور نے اُنھے
ہوئے کہا۔

"تشریف رکھئے۔" سنتوش نے اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے کہا۔ "فرمائیئے۔"

”تکف بر طرف۔“ دلادر تیز لمحے میں بولا۔ ”میں اپنے کل رات کو ہارے ہوئے روپے
واپس لینے آیا ہوں۔“

”ہارے ہوئے روپے!“ سنتوش نے متھر ہو کر کہا۔ ”شاید آپ بھول رہے ہیں،
ہارے یہاں جوانبیں ہوتا۔ آپ کہیں اور ہارے ہوں گے۔“

”اور آپ کا دانت بھی کہیں اور ٹوٹا ہو گا۔“ دلادر نے طنزیہ لمحے میں کہا ”اور آپ کی
خوڑی پر خوکر بھی کہیں اور پڑی ہو گی۔“

”آپ نہ جانے کیسی باتیں کر رہے ہیں۔“ سنتوش نے کہا۔ ”شاید آپ زیادہ پی گئے ہیں۔“
”ممکن ہے۔“ دلادر نے کہا۔ ”لیکن اتنا یاد رکھنا کہ دلادر خال پشاوری سے گلر لیتا آسان
کام نہیں۔“ دلادر نے اشتعہ ہوئے کہا۔

سنتوش آنکھیں پھاڑے ہوئے اُسے گھور رہا تھا۔

”تو استاد پہلے ہی کیوں نہ بتا دیا تھا۔“ سنتوش نے آہستہ سے کہا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھا دیا۔

”تم نے پوچھا کب تھا.....!“ دلادر نے لاپرواں سے کہا۔

”تو آپ ادھر کب سے آئے۔“

”حال ہی میں آیا ہوں اور تمہیں یہ بھی بتا دوں کہ میں سینہ اگر وال کیلئے کام کر رہا ہوں۔“

”سمجا..... لیکن آپ کو اس سے کیا فائدہ ہو گا، جب کہ میرے علاوہ اور کوئی دوسرا اس
چیز کے راز سے واقف نہیں۔“

”تو وہ چیز تمہیں نے اڑائی تھی۔“

”نہیں..... مجھ نے پہلے ہی کوئی اڑا لے گیا اور اسی رات کو جب میں نے بھی اس کے
لئے کوشش کی تھی۔“

”اور پھر تم نے اسی جھلاہٹ میں اگر وال پر گولی چلا دی۔“

”یہ آپ کو کیسے معلوم ہوا۔“ سنتوش بے ساختہ بولا۔

”مجھ سے اس شہر کے کسی بدمعاش کی کوئی بات چھپی ہوئی نہیں ہے۔“

”تو پھر آپ یہ بھی جانتے ہوں گے کہ وہ چیز کون لے گیا۔“

”ابھی تو نہیں لیکن میں اس کا پتہ جلد لگالوں گا۔“

”آپ وہ چیز اس سے حاصل کر کے سینہ اگر وال کو دے دیں گے۔“

”ہاں.....!“

”اگر آپ اس چیز کے راز کو جانتے ہوئے تو بھی اُنکی بات نہ کہتے۔“ سنو ش نے کہا۔

”خیر سینہ اگر وال اسے دوبارہ پا جانے پر بھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔“

”میں اسے سمجھ سکتا ہوں لیکن مجھے اس سے کیا۔ میں اسے اس کے حوالے کر کے اس سے مناسب معاوضہ وصول کرلوں گا۔“

”کوئی اس کی قیمت لگائی نہیں سکتا۔“

”میں یہ بھی جانتا ہوں۔“ دلاور نے کہا۔

”اگر آپ یہ بھی جانتے ہیں تو پھر اسے حاصل کر کے میرے حوالے کر دیجئے۔“

”آدھے آدھے کی رہی۔“

”چلو منکور۔“ دلاور نے کہا۔ ”لیکن پہلے مجھے وہ تعریز دکھادو۔“

”ارے.....!“ سنو ش چوک کر بولا۔ ”تو کیا آپ یہ بھی جانتے ہیں۔“

”میں کیا نہیں جانتا۔“ دلاور بولا۔ ”لاڈا سے جلدی لاو، ورنہ سب معاملہ عنقریب گز بڑھ جائے گا۔“

سنو ش کچھ سوچنے لگا۔

”میں جانتا ہوں کہ پہنچان بات کے کپے ہوتے ہیں۔“ سنو ش نے کہا۔ ”میں آپ کو وہ

تعریز دکھاتو دوں لیکن میری ساتھ دعائے سمجھ جاؤ۔“

”دعائے میں سینہ اگر وال کے ساتھ بھی نہ کروں گا۔“

”کیا مطلب.....؟“ سنو ش چوک کر بولا۔

”یہی کہ میں نے اس چیز کی واپسی کا وعدہ کیا ہے، وہ چیز اسے واپس کی جائے گی۔ یہ

اور بات ہے کہ گودا ہمارا ہوا اور چھلکا اُس کا۔“
سنتوش نے قہقہہ لگایا۔

”ماننا ہوں استاد.....!“ یہ کہہ کر وہ انٹھا اور باہر جانے لگا۔
”خہبرو.....!“ دلاور نے کہا۔ ”یہ بھی سن لو کہ میں صرف ایمانداروں کے ساتھ
ایمانداری برداشت کرتا ہوں۔“

”اس سے آپ مطمئن رہئے۔ میری بات بھی کبھی ہوتی ہے۔“
سنتوش چلا گیا۔ دلاور نے بجھا ہوا سگار سلاکیا اور آنکھیں بند کر کے صوفہ پر شم دراز ہو گیا۔
تقریباً پندرہ منٹ بعد سنتوش لوٹا۔ اس کے ہاتھ میں چڑے کی ایک تھیلی تھی۔

”یہ لے جئے۔“ سنتوش نے بینتے ہوئے کہا۔
دلاور نے تھیلی کھول کر اس میں سے ایک چھوٹا سا کاغذ نکالا اور اسے بغور دیکھتا رہا۔

پھر سنتوش کو واپس کرتے ہوئے بولا۔ ”میرے خیال سے اسے جلا دو۔“
”کیوں.....؟“

”اسلئے کہ جو شخص وہ چیز اگر وال کے یہاں سے لے گیا ہے وہ اس کی گلفری میں بھی ہو گا۔“
”ارے تو اب ایسا کوئی نہیں کہ سنتوش کے قبضہ سے اسے نکال لے جائے۔“ سنتوش
نے اکڑ کر کہا۔

”کرنے لگے وہی بچپنے کی باتیں۔“ دلاور نے کہا۔ ”فرض کرو کہ میں نے ہی اس چیز کو
چلایا ہو اور اس وقت میں نے آنکھیں دھونک دے کر اس کی دوسری کڑی بھی معلوم کر لی۔“
سنتوش نے معنی خیز انداز میں سر ہلا کیا۔

”اچھا میں آپ کے کہنے پر عمل کروں گا۔“ سنتوش نے کہا۔

”تو اب میں چلتا ہوں، رات کو کسی وقت آؤں گا اور ہاں ذرا ہوشیار رہتا۔ یہاں کے
جا سوس کی تم پر کڑی نظر ہے۔ کل تو ایک تمہارے تہہ خانہ میں بھی بچپن گیا تھا۔“ دلاور نے کہا۔
”مجھے سب معلوم ہے۔ تہہ خانہ کا راستہ ان کے باپ کو بھی نہیں معلوم ہو سکتا اور یہاں

اوپر کوئی ایسی چیز نہیں جگکی بنا، پر وہ مجھے ہاتھ دکا سکیں، ان سے تو میں اچھی طرح نپٹ لوں گا۔“
دلاور سنتوں سے ہاتھ ملا کر باہر چلا آیا۔



ای رات کو حمید اور چیف ناولی ہوٹل کی طرف جا رہے تھے۔ چیف کا بجلہ شہر کے باہر
واائع تھا۔ اس لئے شہر جانے کے لئے انہیں سڑک کا ایک بہت بڑا دیران حصہ طے کرنا پڑتا تھا۔
رات کو تقریباً آٹھ بجے تھے۔ ٹیکسی کی روشنی ہاریک رات کا سینہ چیرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔
یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ آج انہیں ایک ٹیکسی اس غیر آباد علاقہ میں مل گئی، ورنہ انہیں پیدل سی
آنما پڑتا۔ فریدی کی کار جو حمید کے استعمال میں رہتی تھی وہ آج پھر خراب ہو گئی تھی۔

ابھی وہ تھوڑی سی دور گئے ہوں گے کہ انہیں چیخ سڑک پر ایک آدمی ہاتھ اٹھائے ہوئے
کھڑا دکھائی دیا۔ اس نے اپنے چڑ کے کار کھڑے کر کر کھے تھے اور ناش کیپ آگے کی طرف
اس طرح جھکا رکھی تھی کہ چھرہ صاف نظر نہیں آ رہا تھا۔

ڈرائیور نے اسکے قریب پہنچ کر ٹیکسی روک دی۔ وہ شخص کھڑکی کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔
”ہندز اپ.....!“ اس نے ریلوالور نکال کر ٹیکسی کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں سے کہا۔
”تم دونوں نیچے اتر آو.....“ پراسرار اجنبی نے حمید اور چیف اسپکٹر سے تکمیل انجمن میں کہا۔
دونوں خاموشی سے ہاتھ اٹھائے ہوئے نیچے اتر آئے۔

”جاوہ پیٹا۔“ پراسرار اجنبی نے ڈرائیور سے کہا۔ ”اپنے استاد سے کہہ دینا کہ میرے شکار
پر ہاتھ نہ ڈالا کرے ورنہ اچھا نہ ہوگا۔“

ڈرائیور نے گاڑی اشارہ کر دی۔ اجنبی نے دو تین ہوائی فائر کئے اور ٹیکسی نظر وہ سے
غائب ہو گئی۔ اب وہ اجنبی ان دونوں سے مخاطب ہوا۔

”ناولی ہوٹل اچھی جگہ نہیں..... خصوصاً شرقاء کے لئے۔“ اس نے کہا۔

”تم کون ہو۔“ حمید گرج کر بولا۔ ”خبریت اسی میں ہے کہ ریلوالور جیب میں رکھلو۔“

"تاریخ ہونے کی ضرورت نہیں سرکار..... یہ لمحہ۔" اجنبی نے روایا اور جیب میں ڈال دیا۔

"آختم ہو کوئا.....؟" چیف نے پوچھا۔

"دوسٹ" یہ کہہ کر اجنبی نے سگر ہٹ سلاکنے کی دیا سلائی جلائی اور حمید کے منہ سے
پیساختہ لٹکا۔

"فریدی صاحب.....؟"

"فریدی.....؟" چیف نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ "یہ کیا.....؟"

"بس چپ چاپ گھر کی طرف چلے چلے۔ اگر میں وقت پر نہ پہنچ جانا تو آپ لوگ گئے
تھے ہاتھ سے۔"

وہ تینوں واپس جانے کے لئے مڑے۔

"آخربات کیا ہے۔"

"اس سناں راست پر کبھی اور بھی آپ کو کوئی یہی ملتی تھی۔" فریدی نے کہا۔

"نہیں..... لیکن اس سے کیا بحث۔"

"یہی تو خاص چیز ہے۔ آپ لوگوں کو غائب کرانے کا پروگرام بنا�ا گیا تھا، بدمعاشوں کو
کسی طرح اطلاع مل گئی تھی کہ آج آپ لوگ ناٹھی میں آنے والے ہیں۔ اس لئے انہوں نے
پہلے ہی سے آپ کی سواری کا انتظام کر دیا تھا۔"

"تمہیں ان سب باتوں کی اطلاع کیسے ہوئی۔" چیف نے کہا۔

"ظاہر ہے کہ میں اتنے دنوں تک محض جھک نہیں مار رہا تھا۔"

"وہ کچھ سمجھی..... لیکن تم کسی نہ کسی دن اپنی جان خطرے میں ضرور ڈال لو گے۔ آخراں
طرح کام کرنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"اپنا اپنا طریقہ کار ہے اور یہ تو آپ جانتے ہیں کہ مجھے خدوں سے لکھا پیار ہے۔"

فریدی بولا۔

"مگر مجھے تمہارا یہ طریقہ پسند نہیں۔" چیف نے کہا۔

”میں جانتا ہوں کہ آپ مجھ سے محبت کرتے ہیں۔ لیکن کیا کروں میں اپنی طبیعت سے مجبور ہوں۔ بعض کیس ہی ایسے ہوتے ہیں کہ مجھے تمہارا کام کرنے پر مجبور ہونا پڑتا ہے۔“

”غیر بھی..... تم جانو، سمجھانا میرا کام ہے۔“ چیف نے کہا۔ ”اچھا یہ تو بتاؤ کہ تم نے اس ڈرائیور کو یونی کیوں نکل جانے دیا۔“

”ابھی فی الحال اسے گرفتار کر لیا تھا میں نہیں تھا۔“

”کیوں.....؟“

”میں نے اس وقت اس سے ایک ڈاکو کی حیثیت سے بات کی تھی۔“ فریدی نے کہا۔

”معاملات حد درجہ دلچسپ ہو گئے ہیں۔ بد معاملوں کی دو پارٹیوں میں ٹھن گئی ہے۔ ان میں سے ایک پارٹی سنتو ش کی ہے اور دوسری ان لوگوں کی ہے جنہوں نے سینہ اگر وال کے یہاں ڈاکہ ڈالا تھا۔ جس دن یہ واردات ہوئی تھی اس دن سنتو ش اور ان کے ساتھیوں نے بھی سینہ اگر وال کے گھر میں گھنے آپر گرام بنایا تھا۔ یہ لوگ ان دونوں کے بعد آئے تھے اور سنتو ش ہی کی گولی سے سینہ اگر وال رُثی بھی ہوا تھا۔“

”لیکن یہ آج تک میری سمجھ میں نہ آ رکا کہ ان لوگوں کا مقصد کیا تھا۔“ چیف اسپرٹ نے کہا۔

”یہ تو ابھی تک مجھے بھی نہیں معلوم ہوا کہ لیکن سنتو ش کو قانون کی زد میں لانے کے لئے میرے پاس بہت سے ثبوت ہیں۔“

”اور ایک دلچسپ بات اور سنو.....!“ چیف نے کہا۔ ”آج کل دلاور خان پھر دکھائی دے رہا ہے اور جس وقت تمہارے ساتھ حادثہ پیش آیا تھا وہ پولیس کی غائب کی ہوئی لاری پر دیکھا گیا تھا۔“

”مجی ہاں..... وہی تو ساری مصیبتوں کی جزا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس سے تو مجھے خاص طور پر نہیں ہے۔ لیکن ابھی نہیں، سنتو ش کی گرفتاری کے بعد اس سے بھی سمجھوں گا۔ فی الحال اس سے الجھنا نہیں چاہئے، اس میں بھی ایک راز ہے۔“

”بھی اپنی باتیں تم ہی سمجھو.....!“ چیف نے اکتا کر کہا۔

"پرسوں رات کونو بجے کم از کم بچیں جوان سادنے لباس میں لے کر ناولی پہنچ جائیے گا اور وہاں اگر دلاور سے مدد بھیڑ ہو جائے تو اسے فی الحال نظر انداز کر سکیں کوش سمجھے گا ورنہ سب معاملہ گزیر جائے گا۔ اچھا تو اب میں چلا۔ اب سنتوں کی گرفتاری کے بعد ہی ملاقات ہو گی۔"

چیف کا بغل قریب تھا۔ فریدی واپس لوٹنے کے لئے مڑا۔

"سنئے تو کمی۔" حمید نے بے قراری سے کہا۔

"نہیں اس وقت نہیں..... تمہیں کافی احتیاط کی ضرورت ہے۔ میرے بتائے ہوئے وقت سے پہلے ناولی کے قریب بھی جانے کی ضرورت نہیں۔" فریدی نے کہا اور تیز تیز قدموں سے چلتا ہوا تاریکی میں عاشر ہو گیا۔

عجیب و غریب عشق

فریدی کے بتائے ہوئے پلان کو شام ہی سے ایک ایک دودو کر کے پولیس کے سلیمانی سادے لباس میں ملبوس جوان ناولی میں اڈہ جمانے لگے۔ فریدی کی ہدایت کے مطابق وقت سے پہلے کسی نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے ناولی والوں کو ہوشیار ہو جانے کا اشارہ ملتا۔ تو بجے رات تک جوانوں کی مقررہ تعداد ناولی میں پہنچ گئی۔ چیف اور حمید بھی بھیس بدلتے ہوئے وہاں موجود تھے۔

ہر شخص اپنی جگہ پر کسی چیز کا خفتر تھا۔ لیکن کوئی یہ نہیں جانتا تھا کہ اگلے لمحے میں کیا ہونے والا ہے۔ چیف اور حمید کی نگاہیں فریدی کو ڈھونڈ رہی تھیں۔ لیکن وہ ابھی تک نہیں آیا تھا۔

"فریدی تو دھائی نہیں دے رہا ہے۔" چیف نے آہستہ سے کہا۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" حمید نے کہا۔ "نه جانے آئندہ ان کی اسکیم کیا ہے۔"

"کہیں مفت کی دردسری نہ ہو۔" چیف بولا۔

"یہ ناممکن ہے۔" حمید نے کہا۔ فریدی بے بنیاد چیز دل پر کبھی کوئی قدم نہیں انداختا۔"

"خبر اب تو آئی گئے ہیں، جو کچھ ہو گا دیکھا جائے گا۔"

"ہاں..... دیکھئے۔" حمید نے کہا۔

"یہ بات بھی عجیب و غریب ہے۔" چیف نے کہا۔ "دور سے بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے

جیسے کچھ کوئی عورت کھڑی ہو۔"

"عجیب قسم کا رنگ دروغن ہے اس کے چہرے پر۔" حمید نے کہا۔

ابھی ان دونوں میں یہ یاتھی ہوئی رہی تھیں کہ دھنٹا کوئی آدمی تمہایت بھدی اور بے ہنگام آواز میں گانے لگا۔ ہر فرد اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دلادر خان نثر میں دھت ہاتھ میں ایک خالی بوتل لئے لے کھڑا تا اور گانا ہوا ہال میں داخل ہو رہا تھا۔ اس نے دروازے پر رک کر چاروں طرف نظریں دوڑا کیں اور ایک قبھر لگا کر پھر گانے لگا۔ وہ اپنی مادری زبان پشتو میں کوئی گیت گا رہا تھا۔

ہوٹل کا نجیر گھبرا کر اس کی طرف دوڑا۔ وہ اس سے آہستہ آہستہ کچھ کہنے لگا۔

"میں تو گاؤں گا.....!" دلادر خان جیخ کر بولا۔ "دیکھتا ہوں میرا کوئی کیا کرتا ہے۔

میں تمہارے مالک سنتو ش بابو کا دوست ہوں۔"

"گانے دو بھائی گانے دو.....!" کئی مدھوش شرابی پیجئے۔

"جیو میرے ساتھیو..... جیو۔" دلادر خان نے جھوٹتھے ہوئے کہا۔ "تم یہ جیسوں کے

دم سے دنیا قائم ہے ورنہ کبھی کی قیامت آگئی ہوتی۔"

چند شراہیوں نے زور سے قبھر لگایا۔

"جیمرے بیارے بھائیج.....!" دلادر خان بت کی طرف اشارہ کر کے بولا۔ "میں اس

عورت پر مرنا ہوں یہ میری محبوب ہے۔ کیا آپ کو کوئی اعتراض ہے۔"

"ہرگز نہیں..... ہرگز نہیں۔" بیک وقت بہت سی آوازیں آئیں۔

"معلوم ہوتا ہے بہت زیادہ پیلی ہے۔" چیف انگلٹھ نے حید کی طرف جھک کر آہستہ

سے کہا۔

”جی ہاں، بُری طرح ڈاؤن ہے۔“ حمید بولا۔

”مگر فریدی اب تک نہیں آیا۔“ چیف نے کہا۔

”معلوم نہیں کیا بات ہے۔“ حمید نے کہا۔

”ہاں تو پیارے بھائیو۔“ دلاور پھر چینا۔ ”میں جادوگر ہوں، کالا جادوگر..... میں ایک منٹ میں مرغی سے اٹھا اور اٹھے سے مرغی بنائیتا ہوں۔ خرگوش میں سے ہیٹ نکال سکتا ہوں۔“

”خرگوش میں سے ہیٹ۔“ ایک آدمی ہستا ہوا چینا۔

”نہیں، ہیٹ میں سے خرگوش.....!“ دلاور چینا۔ ”دیکھئے میرا کمال، یہ دیکھئے یہ ایک اٹھا ہے، بتائیے اسے کیا بنادوں۔“

”ہاتھی.....!“ ایک آواز آئی۔

”نہیں..... خرگوش.....!“ دوسرا آواز سنائی دی۔

”نہیں بھائی اودبلا۔“ تیسرا چینا۔

”اچھا تو میں اسے توڑ کر پئے لیتا ہوں۔“ دلاور نے اٹھا توڑ کر حلق میں اٹھیتے ہوئے کہا۔ ”اب یہ تھوڑی دیر کے بعد ہضم ہو جائے گا، کہنے ہے ناکمال۔“
سارا ہال تالیوں سے گونج اٹھا۔

”ہاں تو بھائیو.....!“ وہ اسی چہوتے پر بیٹھتے ہوئے بولا جس پر بت نصب تھا۔ ”میں اس عورت پر عاشق ہوں، لیکن یہ بڑی سگدل ہے۔ میری قلمی پواہ نہیں کرتی۔ میں حق کہتا ہوں کہ میں اس کے عشق میں گھل کھل کر مر جاؤں گا۔“

اس نے بت کے بیرون سے پلکار بلند آواز میں روٹا شروع کر دیا۔ سارے لوگ بھی کے مارے بے حال ہوئے جا رہے تھے۔

”آپ لوگ پہنچتے ہیں۔“ وہ روشنی آواز میں بولا۔ ”خدا کرے آپکو بھی کسی سگدل سے عشق ہو جائے۔ میرا دادا اس کے عشق میں مر گیا، میرا باپ اسکے عشق میں مر گیا اور اب میں بھی

اس کے عشق میں مر جاؤں گا۔ وہ پھر اسکے پیروں سے پٹ کرائے جسم پر ہاتھ پھیرنے لگا۔
دھنٹا ایک کلکا ہوا اور وہ بت کھک کر ایک طرف ہو گیا جس جگہ وہ نصب تھا۔ وہاں ایک
غار پیدا ہو گیا اور دلاور خاں اسی غار میں گر کر غائب ہو چکا تھا۔ حمید نے سیٹی بھائی۔ سارے
جو انوں نے اپنے اپنے پستول نکال لئے۔

”خبردار کوئی اپنی جگہ سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔“ ایک سب انسپکٹر چینا۔

”بیز جی تم پانچ جوانوں کے ساتھ یہیں تھہرو.....!“ چیف انسپکٹر بت کی طرف بڑھا۔

”سب دروازے بند کر لو کوئی باہر نہ جانے پائے اور بجیہ لوگ میرے ساتھ آئیں۔“

یہ غار ایک تہہ خانے کا راست تھا۔ وہ سب تہہ خانے میں اتر گئے۔ تہہ خانے میں حسب دستور
جوا ہو رہا تھا۔ ناجائز شراب، افون، چانڈا اور کوئین فروخت ہو رہی تھی۔ شہر کی عیاش طبیعہ متول
عورتیں یہیں کر رہی تھیں پولیس والے آہستہ آہستہ سارے تہہ خانے میں پھیل گئے۔ دلاور خاں
کا کہیں پتہ نہ تھا۔

سنٹوش کو بہت جلد اس کی اطلاع ہو گئی۔ اس نے بھی سورچ سنjal لیا۔ تقریباً آدھے گھنٹہ
تک دونوں طرف سے گولیاں چلتی رہیں۔ آہستہ آہستہ سنٹوش کی پارٹی ست ہوتی جا رہی تھی۔
اس دوران میں سنٹوش بری طرح زخمی ہو گیا۔ آخر کار فتح پولیس کی ہوئی اور سارے بدمعاش
پکڑ لئے گے۔ لیکن سنٹوش غائب تھا۔ اس کی طلاق برادر جاری تھی۔ دھنٹا ایک کمرے سے گولی
چلنے کی آواز آئی۔ حمید کمرے کی طرف پکا لیکن فوراً ہدیہ باہر نکل آیا۔

”کیا بات ہے۔“ چیف نے پوچھا۔

”سنٹوش نے خود کشی کر لی۔“ حمید نے بتایا۔

ڈاکو پولیس کی لاری میں بھر کر کوتوالی کی طرف لے جائے جا رہے تھے۔ ایک کار میں
حمد، چیف اور بیز جی میٹھے تھے۔

”دلاور خاں نہ جانے کہاں غائب ہو گیا۔“ چیف نے ہکا۔

”معلوم نہیں اسے زمین نگل گئی یا آسان کھا گیا۔“ حمید نے کہا۔ ”میں نے تو اتنا پر اسرار

اور بھیاں کے آج تک نہیں دیکھا۔“

”خیروہ اگر یہاں رہ گیا تو مج کرنہ جائے گا۔“ چیف نے کہا۔



ای رات کو چیف اور حمید فریدی کی کوئی میں بیٹھنے ہوئے کافی پی رہے تھے۔

”فریدی کا کچھ پتہ نہیں۔“ چیف نے کہا۔

”کہیں وہ دل اور خاں کے بیچے نہ لگ گئے ہوں۔“ حمید نے کہا۔

”کون جانے۔“ چیف بولا۔

”دیکھنے کب واپس ہوتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”آج سے دس سال قبل دل اور خاں کے لئے حکومت نے دس ہزار روپے کا انعام رکھا تھا۔ جو آج بھی بدستور قائم ہے۔ فریدی اسے حاصل کر تکی ضرور کوشش کریگا۔“ چیف نے تالی۔ ”تھی ہاں ضرور.....“ کمرے کے باہر سے آواز آئی اور پھر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔

حمدی اور چیف کے سامنے دل اور کھڑا اتھا۔

”چیڑ زاپ.....“ حمید نے پتوں کھال کر کہا۔

دل اور خاں پختے گا۔

”شباش میرے لال.....!“ دل اور طنزیہ انداز میں بولا۔ ”جس پوچھوتا میں تمہاری عی

گوی کاٹانہ بننے کی امید پر اب تک مجھی رہا ہوں۔“

چیف اور حمید حیرت سے منہ کھولے کھڑے تھے۔ ان میں اتنی ہمت بھی نہ رہ گئی تھی کہ منہ سے آواز تک ٹھال سکتے۔

”کیوں حمید..... میرے احسان کا بھی بدلہ ہے۔“ دل اور مسکرا کر بولا۔ ”اگر میں آج تمہاری رہنمائی نہ کرتا تو تمہارے فرشتوں کو بھی تمہرے خانہ کا راستہ نہ معلوم ہو سکتا۔“

”تو اس کا مطلب ہے کہ اس احسان کے بدالے میں ایک بھیاں کو خونی کوچھوڑ دیا

جائے۔ ”چیف نے کہا۔

”اچھا تو مجھے خادم حاضر ہے۔“ دلاور زمین پر اکڑوں بیٹھتے ہوئے بولا۔

اس نے اپنا منہ گھننوں میں چھپا لیا تھا۔

حید نے بڑھ کر اس کے ہاتھوں میں ہٹکڑیاں لگادیں۔ وہ بدستور اسی طرح بے حصہ حرکت بیٹھا رہا۔

”آپ سینہیں سبھریے میں پولیس کوفون کرتا ہوں۔“ حید نے کہا۔

”ارے..... ارے۔“ دلاور خاں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”فریڈی.....!“ چیف جیرت سے بولا۔

”ارے آپ.....!“ حید بھونچکارہ گیا۔

فریڈی نے قہقہہ لگایا۔ گھنی موچھیں اس کے پیروں کے پاس پڑی ہوئی تھیں۔

”بھنی خدا کی قسم کمال کر دیا تم نے۔“ چیف نے اس کی پیٹھے ٹھوکتے ہوئے کہا۔

”سب محبت ہے آپ کی۔“

”تو کیا شروع ہی سے دلاور خاں کا روں ادا کر رہے تھے۔“ چیف اسکڑ نے پوچھا۔

”مجی ہاں..... اگر یہ نہ کرتا تو اس تھہ خانہ تک رسائی ناممکن تھی۔“ فریڈی نے کہا۔

”میں کئی راتوں سے نہیں سوکا، بخت نیند لگ رہی ہے۔ انشاء اللہ کل ساری داستان سناؤں گا۔“

چیف اسکڑ تھوری دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

تجھوڑی کا راز

حید نے دوسرے دن صبح عصی فریڈی کے کان کھانے شروع کر دیے۔ وہ سارے

واقعات جاننے کے لئے بڑی طرح بے تاب تھا۔

"اے بھائی تم تو جان کو آگئے۔" فریدی نے کہا۔ "یہ ایک بھی داستان ہے۔ کہاں تک
ناؤں گا۔ بہر حال سنو! مگر یہ بتاؤ پہلے تجویزی کاراز یا ان کروں یا اس مرتبہ کے طریقہ سراج
رسانی پر روشنی ڈالوں۔"

"خوبی..... پہلے میں اس چیز کے متعلق سنوں گا جس کی بدولت یہ سب کچھ ہوا ہے۔"
حید نے کہا۔

"اچھا سنو..... شاید تم نے نام سنا ہو۔ یہاں ایک بہت بڑے ناجرام کمار جی تھے۔
میں ان کا نام اتنے ادب سے اس لئے رہا ہوں کہ وہ میرے والد صاحب مرحوم کے
گھرے دوستوں میں سے تھے ۱۹۳۰ء میں اچاک ان کا دیوالہ نکل گیا۔ یہ چیز بڑی حرمت
انگیز تھی۔ وہ شخص جس کے ایک اشارے پر لاکھوں کے وارے نیارے ہوتے تھے بظاہر کوڑی
کوڑی کو محتاج ہو گیا۔ یہ سینہ اگر وال جو آج سارے شہر کا ریس انجمن بنا بیٹھا ہے ان کے یہاں
مقیم تھا۔ ان کے دیوالہ نکلنے میں اس کا بہت بڑا ہاتھ تھا۔ اس نے چکے عی پچکے اپنا گھر بھر لیا۔
جس وقت رام کمار جی کا دیوالہ نکلا ان کے بسراوقات کے لئے صرف تھوڑی سی جائیداد باقی نہیں
جو ان کی بیوی کے نام تھی۔ اس سے ان کی بسراوقات ہونے لگی۔ ان کا ایک سالہ بچہ بھی تھا۔
دیوالیہ ہو جانے کے صدمہ کی وجہ سے وہ زیادہ دن تک زندہ نہ رہ سکے۔ مرتے وقت انہوں نے
ایک وصیت نامہ مرتب کر کے اپنے قانونی مشیر کے یہاں رکھوا دیا اور یہ ہدایت کر دی کہ یہ
وصیت نامہ اس وقت ان کے بچے کے حوالے کیا جائے جب وہ بالغ ہو جائے۔ اور اگر وہ مر گیا
تو وصیت نامہ اس کی بیوی کو دیا جائے۔ اگر آس کی حیات بھی وفا نہ کرے تو پھر یہ وصیت نامہ
اس کے بیٹجے سنتوش کے حوالہ کر دیا جائے۔ بیٹی سنتوش جس نے کل رات خود کشی کی ہے۔ یہ
رام کمار جی کا بھتیجا تھا۔ بچپن عی سے بُری صحبوتوں میں پڑ جانے کی وجہ سے وہ بڑا ہو کر اچھا
خاصاً اکو بن گیا۔

رام کمار جی کے انتقال کے بعد ان کی بیوی اور بچے کی پروش اسی جائیداد سے ہوتی رہی
اور ہاں یہ تو بتانا بھول عی گیا کہ رام کمار جی ایک آمویز اپنے بچے کے گلے میں ڈال گئے تھے

جس کے متعلق انہوں نے اپنی بیوی کو ہدایت کر دی تھی کہ وہ اسے اس وقت کھول کر دیکھیں جب پچھے جوان ہو جائے۔

دو تین سال کے بعد فتحاً ایک دن رام کمار جی کے قانونی مشیر نے ان کی بیوی کو اطلاع دی کہ اس کے بیان چوری ہو گئی۔ چوری ہونے والی چیزوں میں رام کمار جی کا وصیت نامہ بھی تھا۔ ان کی بیوی کو سخت پریشانی ہوئی۔ وہ وصیت نامہ ان کے لئے ایک محمد سے کم نہ تھا۔ کیونکہ بظاہر رام کمار جی کے پاس کوئی اسکی چیز باقی نہ تھی جس کیلئے وہ کوئی وصیت نامہ مرتب کرتے۔

جانشید اخود ان کے نام تھی۔ اس نے اس کے سلسلہ میں کسی حرم کی وصیت کا سوال ہی جیسیں رہ جاتا تھا۔ اس ابھسن کے تحت انہوں نے پچھے کے گلبے میں پڑا ہوا پر اسرار تھویر قبل از وقت ہی کھول ڈالا۔ اس تھویر کے ذریعہ انہیں پڑا کہ وصیت نامہ میں کسی خزانے کا ذکر تھا۔ لیکن تھویر میں لکھی ہوئی ہدایت کے مطابق وصیت نامہ کو پڑھے بغیر خزانہ کا پڑھنا دشوار تھا۔ انہیں ایک گونہ اطمینان ہو گیا کہ بغیر اس کے وصیت نامے کا چرانے والا اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ انہوں نے تھویر پچھے کے گلبے سے کھول کر احتیاط سے رکھ دیا۔ چار ماہ قبل کی بات ہے کہ اچاک ایک دن کسی نے ان کے بکس کا نالا توڑ کر تھویر کھال لیا۔ ان کی پریشانیوں کی حد نہ رہی۔ وہ مجھے جانتی تھیں۔ ایک دن انہوں نے مجھے بلو بیجا اور سارا واقعہ بتا کر طالب امداد ہوئیں۔ رام کمار جی کی ساری شفقتیں یاد آگئیں۔ وہ مجھے بھی اپنے پچھے ہی کی طرح پیار کرتے تھے۔ میں نے ان کی بیوی سے وعدہ کیا میں حتی الامکان کوشش کروں گا اور اسی دن سے میں نے تحقیقات شروع کر دیں۔ کئی دنوں کے بعد پڑھا کہ وصیت نامہ سینہمہ اگر وال نے رام کمار جی کے قانونی مشیر کے بیان سے چوری کروایا تھا۔ میں نے سوچا کہ اگر باضابطہ کارروائی کر کے اسے حاصل کرنے کی کوشش کی تو کامیاب نہ ہو سکوں گا اس لئے میں نے وہ طریقہ کار احتیار کیا۔ چونکہ چیز چوری کی تھی اس لئے سینہمہ اگر وال نے بھی پولیس کو بیان دیا کر اس کی کوئی چیز چوری نہیں کی گئی ہے۔

اس کے بعد سے مجھے اس چیز کی بہت زیادہ تشیش ہو گئی تھی کہ آخر اس پر گولی کس نے

چلائی۔ اسی دوران میں جب میں جکلیش کو یہ قوف بنانے کے لئے کار سے اتر گیا تھا مجھے چند نامعلوم لوگوں سے دو دو ہاتھ کرنے پڑے۔ میں نے انہیں اور پولیس کو لٹانے میں الجھادیا اور خود پولیس کی لاری لے کر فرار ہو گیا۔ مجھے لوگوں کی نظروں سے چھپ کر کام کرنے کا اچھا موقع مل گیا تھا۔

مجھے سب سے زیادہ فکر اس چیز کے پڑنے کی تھی کہ آخر یہ سننے اگر وال کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جو اس وصیت نامہ میں اتنی دلچسپی لے رہا ہے۔ رفتہ رفتہ مجھے اس کا احساس ہونے لگا کہ یہ سنتوش کی حرکت ہے اور اسی نے وہ تعریج بھی جو لایا ہے۔ لیکن وصیت نامہ ہاتھ نہ لکنے کی وجہ سے بالکل بے بس ہے چونکہ اس سے اس چیز کو اگلوانا تھا۔ اس لئے میں نے دلاور خان کا بھیس بدلا اور سب سے پہلے جو کام کیا وہ یہ تھا کہ وصیت نامہ اپنی تجویری سے ٹکالے گیا۔ اس دن مجھے تم پر بہت بڑی آئی تھی جب تم برآمدے میں پہلے ہوئے پناخوں پر اچھل کو د رہے تھے۔ وہ میں نے دراصل اسلئے ڈالے تھے کہ جس وقت میں وصیت نامہ لکائے میں مشغول ہوں تو مجھے آنے جانوالوں کی آہٹ مل سکے۔ سب سے پہلے تم ہی ان پناخوں کا شکار ہوئے۔

بعد کے واقعات سے تو تم واقف ہی ہو۔ ایک دن میں نے سنتوش کو بلا کر وہ تعریج دیکھی ہی لیا۔ اس کا نقشہ میرے ذہن میں موجود تھا۔ اس کے مطابق وہ خزانہ اسی مکان میں ایک جگہ ڈفن ہے جہاں رام کمار تھی کی بیوی رہتی ہے۔ اب ذرا حکیم دور ہو جائے تو میں جا کر وہ خزانہ کھووانے میں ان کی مدد کروں گا۔ اب تم ہی ہتاوہ کر میں نے وہ وصیت نامہ چاہ کر اگر اس کے حد تاروں کے پاس پہنچا دیا تو کون سا جرم کیا۔ اگر یہ جرم ہے بھی تو میں اسے جائز سمجھتا ہوں۔“

”اچھا یہ تو بتائیے فریدی صاحب کہ آپ اتنے طاقتور کب سے ہو گئے ہیں۔“ حمید بولا۔
”ارے میاں اسے پوچھ کر کیا کرو گے۔ یہ سب راز کی باتیں ہیں۔ ایک اچھے سراغ رسال میں یہ ساری خصوصیات ہوئی چاہئیں۔“

”سنتوش نے تو خود کشی کر لی۔ اب اس کیس میں کیا ہو گا۔“ حمید نے دریافت کیا۔
”کچھ ہو یا نہ ہو، لیکن میرے پاس اس بات کا مکمل ثبوت ہے کہ یہ نہ اگر وال پر سنتوش

ہی نے گولی چالائی تھی اور اب سے تین سال قبل اس نے ایک خون بھی کیا تھا۔ ”فریدی نے اکٹھاف کیا۔

”اچھا تو کیا آپ اس وصیت نامہ کا بھی تذکرہ کریں گے۔“

”کیا احقوں کی ہی باتیں کرتے ہو۔ اب جبکہ سنتو ش مرچکا ہے اس کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ سینہ اگر وال میں اتنی ہمت نہیں کہ اب وہ اس کیس پر ازسرنور و شنی ڈالے کیونکہ اس نے وصیت نامہ قطعی غیر قانونی طور پر حاصل کیا تھا۔ لہذا اب اس کی طرف سے کوئی کھانا نہیں رہ جاتا..... اچھا بھی اب بس.....! کیا اب تک چائے نہیں بنی.....؟“

تمام شد